URDU Gif Format

# الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن

۱۳۰۸ھ

کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو

مصنف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

رسالہ

# الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن

۱۳

## (کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

**مسئلہ ۱۵:** از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید محمد ابراہیم صاحب ۹ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکنِ متبرکہ سے آئے اور اس پر آیاتِ کلام اللہ و احادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میت کو پہنانا کیسا ہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا



## الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی سترنا بذیل کرمہ فی حیاتنا وبعد الممات وفتح علینا فی التوسل بأیاتہ وشعائرہ ابواب البرکات والسلام علی من تبرك بأثارہ الکریمۃ الاحیاء والاموات وحی ویحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات وعلی الہ وصحبہ واھلہ وحزبہ

سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامنِ کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے ۔۔۔ اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثار گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے ۔۔۔ اور (درود و سلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر،

عددکل ماضی و آت ۔ ہر گزشتہ آئندہ کی تعداد کے برابر ۔ (ت)

یہاں چار مقام ہیں :

**اوّل** فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولٰی قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہوگا۔ اور اُس کے مؤید احادیث وروایات ۔

**دوم** احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میت پر رکھی گئیں اور اسے محل تعظیم نہ جانا۔

**سوم** بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال کی اس کا جواب ۔

**چہارم** قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان ۔ وباللہ التوفیق

**مقام اول :** ہمارے علماء کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امید مغفرت ہے ۔

(۱) امام ابو القاسم صفار شاگرد امام نصیر بن یحیٰی تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابو یوسف و محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح و روایت کی ۔

(۲) امام نصیر نے فعل امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تائید و تقویت کی ۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری (۴) علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔



(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ انھوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیت فرمائی اور حسب وصیت اُن کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

من کتب ھذا الدعاء وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر ولایری منکرا ونکیرا وھو ھذا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذاب قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں ، اور وہ دعا یہ ہے : لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ

وحدہٗ لاشریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]۔

لاشریک لہ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نیز ترمذی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِیْمَ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانک انت اللہ الذی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من الشر و تباعدنی من الخیر وَاِنِّیْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ لِیْ عَھْدًا عِنْدَکَ تُؤَدِّیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ[2]۔

فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انھیں وہ عہد نامہ دیا جائے۔ امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:

وعن طاؤس انہ امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنہ[3]۔

امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:

اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ[4]۔

جب یہ لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے امان دے۔

(۹) یہی امام فرماتے ہیں:

من کتب ھذا الدعاء فی کفن المیت رفع

جو یہ دُعا میت کے کفن میں لکھے اللہ تعالٰی قیامت تک

---

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۶

[2] نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ " دارصادر بیروت ص ۲۱۷

[3] الدر المنثور بحوالہ الحکیم الترمذی تحت الامن اتخذ عند الرحمٰن عہدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/۲۸۶

[4] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز " دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۶

اللّٰہ عنہ العذاب الیٰ یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا ؛ اس سے عذاب اٹھالے اور وہ یہ ہے :

اللھم انی اسألک یا عالم السر یا عظیم الخطر یا خالق البشر یا موقع الظفر یا معروف الاثر یا ذا الطول والمن یا کاشف الضر والمحن یا الٰہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصل اللھم علٰی سیدنا محمد وسلم[1]

(۱۰) ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اس کا فضل اس کی برکت مشہور ومعروف ہے، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ :

من کتبہ وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ لاینالہ عذاب القبر ولاینالہ منکر ونکیر ولہ شرح عظیم وھو دعاء الانس ، (وھو ھذا) جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذاب قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وہ چین وراحت کی دعا ہے (وہ دُعا یہ ہے :)

سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف و بالصفۃ علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیۃ للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار و بالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رءوف رحیم، سبحنہ کما یقولون وسبحنہ کما ھم یقولون تسبیحا تخشع لہ السمٰوٰت والارض ومن علیھما ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللّٰہ وانا اسرع الحاسبین[2]

مصنّفِ عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی اور ان کے طریق سے حلیہ ابو نعیم میں ہے :

اخبرنا معمر بن عبد اللّٰہ بن محمد بن عقیل ان فاطمۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا لما حضرتھا الوفاۃ امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت وتطھرت ، ودعت بثیاب اکفانھا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہانے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوا دیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا

---

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶
[2] " " " " " " " "

فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت عليا ان لا تكشف اذا هی قبضت وان تدرج کما هی فی اکفانها فقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلك قال نعم کثیر بن عباس، وکتب فی اطراف اکفانه یشهد کثیر بن عباس ان لا اله الا الله[1]

اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولیٰ علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہا ہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انھوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامه، یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت، ویجعله امنا من عذاب القبر[2]

امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔

پھر فرمایا:

قال نصیر هذه روایة فی تجویز وضع عهد نامه مع المیت وقد روی انه کان مکتوبا علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق رضی الله تعالیٰ عنه حبس فی سبیل الله[3]

امام نصیر نے فرمایا: یہ میت کے ساتھ عہدنامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہوا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا ہوا تھا کہ وقف فی سبیل اللہ۔

(۱۱) درمختار میں ہے:

کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله للمیت اوصی بعضهم ان یکتب فی جبهته وصدره بسم الله

مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی اُمید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمٰن

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۳۳ فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۲/۴۳

[2] فتاوٰی بزازیہ علی حامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۷۹

[3] ایضاً

الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملٰئکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالوا أمنت من عذاب اللہ[1]

الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے، حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔

(۱۲) فتاوٰی کبرٰی للمکی میں ہے:

نقل بعضھم عن نوادر الاصول للترمذی مایقتضی ان ھذا الدعاء لہ اصل وان الفقیہ ابن عجیل کان یأمربہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علی کتابۃ ﷲ فی نعم الزکوٰۃ[2]۔

بعض علماء نے نوادر الاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خود اُنھوں نے اس کے جوازِ کتابت پر فتوٰی دیا اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے ﷲ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔

(۱۳) اُسی میں ہے:

واقرہ بعضھم بانہ قیل یطلب فعلہ لغرض صحیح مقصود، فابیح وان علم انہ یصیبہ نجاسۃ[3]

اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا (۱۴) اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔

ھذا ما اثر ثم نظر وفیہ نظر کما سیأتی وباللہ التوفیق۔

یہ انھوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کیا اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

## مقامِ دوم: احادیث مؤیدہ

**اقول** (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلّہ صحابہ نے کہ غالباً سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف یا

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶

[2] فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۲

[3] ایضاً

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اُس کی ضرورت بھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انھیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ سلامہٗ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں کہ حضور اکرم الاکرمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انھوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دئے گئے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکر علیہ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ فذکر باسنادہ عن سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ ان امرأۃ جاءت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیہا حاشیتہا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتہا بیدی فجئت لاکسوکہا فاخذہا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجا الیہا فخرج الینا وانہا ازارہ، فحسنہا فلان فقال اکسنیہا ما احسنہا، قال القوم ما احسنت لبسہا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجا الیہا ثم سألتہ وعلمت انہ لایرد قال انی واللہ ما سألتہ لالبسہا وانما سألتہ لتکون کفنی قال سہل فکانت کفنہ۔[1]

باب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبد اللہ بن مسلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہُوئی حاشیے والی چادر لائی، تمھیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انھوں نے جواب دیا کہ وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ کو پہننے کے لیے پیش کر رہی ہُوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرما تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تُو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے لیے پسند فرمائی تھی، تُو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کر لیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لیے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وُہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔ (ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ١/١٧٠

(۱۶) بلکہ خود حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے اُن کے بدن کے متصل رکھیں۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال اغسلنہا ثلثا او خمسا او اکثر من ذٰلك ان رأیتن ذلك بماء وسدر واجعلن فی الاٰخرۃ کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذننی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعرنہا ایاہ[1]۔

فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملا لینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند ہمیں دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔ (ت)

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ لمعات میں ہے:

ھذا الحدیث اصل فی التبرك باٰثار الصالحین ولباسھم، کما یفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر[2]۔

یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت مند اُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔ (ت)



(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا[3]۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن انس۔

اسے معجم کبیر ومعجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادہ صحیح، اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

(۱۹) وابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ

اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت

---

[1] صحیح بخاری — کتاب الجنائز — مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۸

[2] لمعات التنقیح — باب غسل میت فصل اول — " المعارف العلمیہ لاہور ۴/۲۱۸

[3] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم اوسط — باب مناقب فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹/۲۵۷

عن جابر۔

جابر سے۔ (ت)

(۲۰) وابن عساکر عن علی۔

ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے۔ (ت)

(۲۱) والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

القاب میں شیرازی نے اور ابن عبدالبر وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انھیں اپنا قمیص مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے لباس پہنیں۔ ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ[1] اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی،

قال لما ماتت فاطمۃ امّ علی رضی اللہ تعالٰی عنھا خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسھا ایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوّی علیھا التراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناك صنعت شیئا لم تصنعہ باحد، فقال انی البستھا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا من ضغطۃ القبر، انھا کانت احسن خلق اللہ صنیعا الیّ بعد ابی طالب[1]۔

فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کرتا اتار کر انھیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی توکسی نے عرض کیا یارسول اللہ! آج ہم نے آپ کا وہ عمل دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔ فرمایا میں نے اپنا کرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابوطالب کے بعد خلق خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔ (ت)

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینۃ (جب ہم مدینہ لوٹیں گے الخ۔ ت) کہا جہنم واصل ہُوا، حضور پُرنور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ ابن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل و مومن کامل تھے اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطا فرمایا،

---

[1] معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ مکتبۃ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹-۲۷۸

پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب و طاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعاب دہنِ اقدس اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا اور یہ بدلا اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردک نے انھیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور عزیز صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، و نیز مرتے وقت وہ ریاکار نفاق شعار خود عرض کر گیا تھا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔

یا رسول اللہ یا کریم یا رءوف یا رحیم اسألك الشفاعۃ عند المولی العظیم والوقایۃ من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بك وبکتابك الحکیم علیك من ولاك افضل صلوٰۃ واکمل تسلیم۔

اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے رب عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر دردناک بلائے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر اور آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔ (ت)



حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ علم و رحمت و عفو و مغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم، صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان عبد اللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اعطنی قمیصك اکفنہ فیہ وصل علیہ واستغفر لہ فاعطاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصہ الحدیث۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اپنا کُرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلوٰۃ و استغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اپنا کُرتا عطا کر دیا۔ الحدیث (ت)

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

(۲۴) نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی بعد ما دفن فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ[1]

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کُرتا پہنایا۔ (ت)

(۲۵) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا:

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ وشعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخباتہ لھذا الیوم فاذا انامت فاجعل ذلک القمیص دون کفنی مما یلی جسدی وخذ ذلک الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی[2]

یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرف یاب ہُوا۔ ایک دن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ حاجت کے لئے تشریف فرما ہُوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس کے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وُہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناخن ومُوئے مبارک تراشے وُہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مرجاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا' و مُوئے مبارک و ناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ میں اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبدالرحمٰن رواسی روایت کی:

قال حدثنا الحسن بن صالح عن ھارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی

(انھوں نے کہا ہم سے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وُہ ابو وائل سے راوی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

[2] کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۳۹۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ مسك ، فاوصی ان یحنط بہ وقال علی وھو فضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] سکت علیہ الحاکم ورواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن بہ، ورواہ البیھقی فی سننہ قال النووی اسنادہ حسن[2] ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔

ہیں انھوں نے کہا۔ت ) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مُشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مشک استعمال کیا جائے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچا ہُوا ہے۔ ( اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے، اور اسے بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔ امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے، اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔ت )

( ۲۷ ) ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی :

قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی ، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ[3] ذکرہ فی الاصابۃ۔

یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا : یہ مُوئے مبارک سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کئے گئے کہ مُوئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا ( اسے اصابہ میں ذکر کیا گیا۔ت )

( ۲۸ ) دلائل النبوۃ بیہقی و ابنِ عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی :

عن انس بن مالك انہ کان عندہ عصیۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمات فدفنت معہ بین جیبہ وبین قمیصہ[4]۔

انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔

ان کے سوا ہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتبِ حدیث میں ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ جیسے نقوش

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۶۱

[2] نصب الرایۃ باب الجنائز فصل فی الغسل المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۲/۲۵۹

[3] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارصادر بیروت ۱/۷۲

[4] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ انس ابن مالک دارالفکر بیروت ۵/۷۵

کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ردا وقمیص خصوصاً ناخن و مُوئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل جزء جزء و شعرۃ شعرۃ منہ وبارک وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز ومقرر رکھنا بلکہ بہ نفس نفیس یہ فعل فرمانا جوازِ ما نحن فیہ کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہرگز مفید تفرقہ نہیں ہوسکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع ومحظور، یونہی لباس واجزائے جسم اقدس کے لئے قطعاً ناجائز ومحذور، پھر صحاح احادیث سے اس کا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی، وللہ الحمد۔

**مقامِ سوم:** کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلنا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبل فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: حبس فی سبیل اللہ تعالٰی (وقف فی سبیل اللہ تعالٰی ہے۔ ت) جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امرِ غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرضِ صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس جواب میں کلام کیا کہ رانِ اسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظمہ اپنے حال پر باقی ہیں انھیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔[1]

ذکرہ فی فتاواہ الکبرٰی واثرہ العلامۃ الشامی فتبعہ علی عادتہ فانی رأیتہ کثیرا مایتبع ھذا الفاضل الشافعی کما فعل ھھنا مع نص ائمۃ مذھبہ الامام نصیر والامام الصفار وتصریح البزازیۃ والدرالمختار وکذا فی

اسے امام ابنِ حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجودیکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح اور بزازیہ و درمختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۷
[2] " " " " " "

مسئلة نزول الخطیب درجة عند ذکر السلاطین و فی مسئلة اذان القبر و فی نجاسة رطوبة الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طهارة رطوبة الفرج عند الامام یشمل الفرج الخارج و الرحم والفرج الداخل جمیعا کما بینته فی جد الممتار۔

کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے، جیسا کہ جد الممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے۔ (ت)

**اقول** قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں کما بینتہ فیما علقت علی رد المحتار (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ رد المحتار میں اسے بیان کیا ہے۔ ت)، مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح و قاطع ہے۔

**ثم اقول** بلکہ خود قرآن عظیم مثل سورۂ فاتحہ و آیاتِ شفاء وغیرہا بالغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلا نکیر رائج ہے عہ۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے دردِزہ کے لئے فرمایا:

تکتب لہا شیئ من القراٰن و تسقی[1]

قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے:

لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا کانھم یوم یرون

---

عہ بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں ان سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذا عسرت علی المرأۃ ولادتھا خذ اناء نظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی کانھم یوم یرون مایوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار بلغ فھل یھلک الا القوم الفٰسقون کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ثم یغسل و تسقی منہ المرأۃ و ینضح علی بطنھا و فرجھا[2]۔ جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج پر چھڑکیں۔ ذکرہ فی نزھۃ الاسرار معزیا للتفسیر بحر العلوم ۱۲

---

[1] قول عبد اللہ ابن عباس

[2] کنز العمال بحوالہ ابن السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۴

مايوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار[1]

اُن کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔ امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابوبکر مروزی نے کہا : میں نے اُن کو بارہا اسے لکھتے دیکھا[2]۔ رواہ الامام الثقۃ الحافظ ابوعلی الحسن بن علی الخلال المکی (اسے امام، ثقہ، حافظ ابوعلی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔ ت) حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِ بدن نہیں ہوتا اور اس کا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے، درمختار میں ہے :

يكره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[3]

آبِ زمزم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

وكذا ازالة النجاسة الحقيقة من ثوبه او بدنه حتى ذكر بعض العلماء تحريم ذلك[4]

اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زمزم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔ (ت)

اور اس کا پینا اعلیٰ درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ تاریخ بخاری وسنن ابن ماجہ وصحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اٰية ما بيننا وبين المنافقين انهم لايتضلعون من زمزم[5]

ہم میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کوکھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔

بلکہ بحمداللہ تعالیٰ ہماری تقریر سے امام ابنِ حجر شافعی اور ان کے تتبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا،

---

[1] مواہب اللدنیہ کتابات الآلام اخری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۶۳
مدارج النبوۃ باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (رقیہ عسرِ ولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۵

[2] " بحوالہ خلال مکی " " " " "

[3] درمختار باب الہدی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴

[4] ردالمحتار " ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/۲۵۶

[5] المستدرک علی الصحیحین کتاب المناسک " دارالفکر بیروت ۱/۴۷۲

قال والقول بانہ قیل یطلب فعلہ الخ مردود لان مثل ذلك لایحتج بہ وانما کانت تظہر الحجۃ لوصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طلب ذلك ولیس کذلك[1]

ان کا کلام یہ ہے "یہ کہنا کہ "غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی" ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں"۔ (ت)

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر،

قال فالمنع ھنا بالاولٰی مالم یثبت عن المجتہد او ینقل فیہ حدیث ثابت[2]

انھوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجۂ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث ثابت منقول نہ ہو۔ (ت)

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کر دیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکم جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جا دارد۔ اس بحث کی تکمیل و تفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں، امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ فرمایا تھا:

قیاسہ علی مافی نعم الصدقۃ ممنوع لان القصد ثم التمییز لا التبرك وھنا القصد التبرك فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالہا فلا یجوز تعریضہا للنجاسۃ[3] اھ واقرہ ش۔

صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انھیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

---

[1] فتاوی ابن حجر مکی | باب الجنائز | دارالکتب العلمیۃ بیروت | ۲/۱۳
[2] ردالمحتار | باب صلٰوۃ الجنائز | ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر | ۱/۶۰۷
[3] فتاوی ابن حجر مکی | باب الجنائز | دارالکتب العلمیۃ بیروت | ۲/۱۳

**اقول** ھذا الفرق لا یجدی نفعا وکیف یسلم ان قصد التمییز یسقط تعظیم ما وجب تعظیمہ شرعا فتبدل بہ اعیان الاسماء المعظمۃ فھو باطل عیانا ام لا یراد بھا معانیھا بل تکون الفاظا مستعملۃ فی معان اخری او من دون معنی وھذا ایضا باطل قطعا فان قولنا للہ او حبیس فی سبیل اللہ انما یفید التمییز ویفھم الصدقۃ بالنظر الی معانیھا الموضوعۃ لھا لا غیر اما اذا استعملت الکلمات المعظمۃ فی معانیھا وکان الغرض ھنالک افھام امر ما سوی نحو التبرک یخرجھا ذلک عن کونھا معظمۃ وای دلیل من الشرع علی ذلک بل الدلائل بل البداھۃ ناطقۃ بخلافہ ولو ان مجرد قصد غرض اخر غیر نحو التبرک کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القراٰن العظیم بل اولی لان الغرض ثم لا یتم الا باسم الجلالۃ من حیث ھو اسم الجلالۃ اما ھھنا فنظر المتوسد لیس الی قراٰنیتہ من حیث ھی ھی بل الی حجمہ وضخامۃ جلدہ واذا جاز ذلک لذلک جاز

**اقول** یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کر دے جس کی تعظیم شرعاً واجب ہو — اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسما کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تو اس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کے معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہو جاتے ہیں یا معنی سے خالی ہو جاتے ہیں — تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کلمہ "للہ" (خدا کے لئے) یا "حبیس فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز و نشان کا فائدہ بھی دیتا ہے اور اپنے وضعی معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتا ہے کوئی اور معنی نہیں دیتا — اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ باعظمت نہیں رہ جاتے — تو اس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہو جانا اگر تعظیم کو ساقط کر دیتا ہے تو چاہئے کہ قرآن عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولیٰ، اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پوری نہیں ہوتی — اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے — اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہو جائیگا

ایضا والعیاذ باللہ تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض و یجلس علیہ توقیالثیابہ من التراب فانہ لیس باعظم من التعریض للابوال والارواث الی غیر ذلک مما لا یجیزہ احد۔

تو معاذ اللہ یہ بھی جائز ہوجائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹی سے محفوظ رہیں —— کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔

ولعل معتلا یعتل بجواز قراءۃ امثال الفاتحۃ للجنب واختیہ اذا قصدوا الثناء والدعاء دون التلاوۃ۔

ہوسکتا ہے کوئی یوں علت پیش کرے کہ جنب اور حائض و نفساء کے لئے دعا و ثنا کے ارادے سے سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

**اقول** نازعہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ وخص الجواز بما لا یقع بہ التحدی ای مادون قدر ثلث اٰیات ولی فی ھذا ایضا کلام والحق عندی ان الجواز بنیۃ الدعاء والثناء ورد علی خلاف القیاس توسعۃ من اللہ تعالٰی لعبیدہ رحمۃ منہ وفضلا فلا یجوز القیاس علیہ علا ان منع الجنب لم یکن لنفس الالفاظ بل لکونہا قراٰنا ای کلام اللہ عزوجل النازل علی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المثبت بین الدفتین من حیث ھو کذلک حتی لو فرض ان تلک الالفاظ کانت حدیثا لم یحرم علیہ قراءتہ فاذا قرأت علی جھۃ انشاء کلام من عند نفسہ

**اقول** محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدی واقع نہیں ہوتی، یعنی تین آیت سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے —— مجھے اس میں بھی کلام ہے —— میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم —— اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت وفضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے —— خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں —— علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفس الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتیوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرات حرام نہ ہوگی —— تو جب ان کی قرات اس طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے

لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اما هٰهنا فالتعظیم لنفس تلك الالفاظ الموضوعة لتلك المعانی المعظمة وھی باقیة فی الکتابة علی حالها فافهم، مع ان العلامة سیدی عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نص علیه ان النیه تعمل فی تغییر المنطوق لا المکتوب[1] کما نقله العلامة ش قبیل المیاہ و اقرہ۔

ثم اقول علی التسلیم لا محیص عن کونه اعنی ما کتب علی الفخاذ لا بل حروفا وحروف الهجاء المعظمة بانفسها لایجوز تعریضها للنجاسة کیف وانها علی ماذکر الزرقانی فی شرح المواھب قد انزل علی سیدنا ھود علی نبینا الکریم وعلیه الصلوٰۃ والتسلیم[2] وکذا نقله فی رد المحتار عن بعض القراء و قدمه عن سیدی عبد الغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی وقال اعنی الشامی فیه ان الحروف فی ذاتها لها احترام[3] اھ، و

ایک کلام انشا کر رہا ہے تو جو نسبت باعثِ ممانعت تھی وہ ملحوظ نہ رہ گئی ـــــ لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہُوئے ہیں۔ اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں۔ تو اسے سمجھو ـــــ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب میں نہیں ـــــ جیسا کہ علامہ شامی نے بابُ المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔

ثم اقول برتقدیرِ تسلیم ـــــ اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ـــــ اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انھیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ـــــ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیدنا ہُود علیٰ نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر نازل ہُوا، جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے ـــــ اسی طرح رد المحتار میں اسے بعض قرّاء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب "الاشارات فی علم القراءات" کے حوالے سے سید عبد الغنی نابلسی سے نقل کیا ـــــ اور اسی میں علامہ شامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود یہ حروف محترم ہیں اھ ـــــ یہ بھی

---

[1] رد المحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹
[2] رد المحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷
[3] رد المحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹

قال ایضا نقلوا عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ اھ[1] وفی الھندیۃ لو قطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط او المصلی حتی لم تبق الکلمۃ متصلۃ لم تسقط الکراھۃ وکذلک لو کان علیہ "الملک" لا غیر وکذلک الالف وحدھا واللام وحدھا کذا فی الکبری" اذا کتب اسم فرعون او کتب ابوجھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف الحرمۃ کذا فی السراجیۃ[2] اھ بل صرح فی الدر المختار وغیرہ انہ یجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولا ترمی برایۃ القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم اھ[3] وفی رد المحتار ورق الکتابۃ لہ احترام ایضا لکونہ آلۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاتارخانیۃ بان تعظیمہ من ادب الدین اھ[4]

فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم و بیاض الورق الغیر المکتوب

لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت وحرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ —— ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جُدا کردیا، یا فرش یا جا نماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کردی گئی کہ پورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی —— اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو، ایسا ہی کبریٰ میں ہے —— اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابوجہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزت وحرمت ہے، ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھ —— بلکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشا پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ —— ردالمحتار میں ہے: کتابت کے کاغذ کا بھی احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابت علم کا سامان ہے —— اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ —— تو جب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے ہوئے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے



---

[1] ردالمحتار — فصل فی الاستنجاء — مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر — ۱/۲۲۷

[2] فتاوی ہندیہ — الباب الخامس فی آداب المسجد — " نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/۳۲۳

[3] درمختار — کتاب الطہارۃ — " مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۳۴

[4] ردالمحتار — فصل فی الاستنجاء — " ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر — ۱/۲۲۷

فما ظنك بالحروف فاذن لاشك فی صحۃ الاستناد ولابد من اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔

**واقول** یظہرلی فی النظر الحاضران لیس الامتہان من لازم تلک الکتابۃ ولاھو موجود حین فعلت ولاھو مقصود لمن فعل وانما اراد التمیز وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1] قال فی جواھر الاخلاطی ثم الفتاوی الھندیۃ لاباس بکتابۃ اسم اللہ تعالٰی علی الدراھم لان قصد صاحبہ العلامۃ لا التھاون[2] اھ وھذا لاشک انہ جار فیما نحن فیہ فلیس التنجیس من لازم الکتابۃ ولاھو موجود ولا مقصود وانما المراد التبرک الٰی اٰخر ما مر فان قنع بھذا فذاک والا فایا ما ابدیتم من الوجہ فی ذالک فانہ یجری فیما ھنالک ولا یظھر فرق یغیر المسالک۔

بارے میں کیا ہوگا —— اس سے ظاہر ہوا کہ صحت استناد میں کوئی شک نہیں —— اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔

**واقول** (اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے —— اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے —— اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی —— جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: دراہم پر اللہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں اھ —— یہ بات بلاشبہہ تحریرِ کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی وہ مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے —— وہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔ اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وہ یہاں بھی جاری ہوگی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہوگا جس سے راہیں مختلف ہوجائیں۔

---

[1] صحیح بخاری باب کیف بدء الوحی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد ؍؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۳

**فان قلت** التنجیس فی الابل غیر مقطوع بہ حتی فی الجانب الانسی من افخاذھا لانہا تتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیہ **قلت** لا قطع فی التکفین ایضا فلیس کل جسد یبلی فان الاولیاء والعلماء العاملین والشھداء والمؤذن المحتسب وحامل القرآن العامل بہ والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر اللہ تعالٰی لا تتغیر ابدانہم[1] نقلہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطا من جامع الجنائز وجعلھم عشرۃ کاملۃ بذکر الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ثم الصدیقین والمحبین للہ تعالٰی وجمعت ھذین فی قول الاولیاء۔

ثم تقیید المؤذن بالمحتسب ھو نص حدیث اخرجہ الطبرانی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال المؤذن المحتسب کالشہید المتشحط فی دمہ واذا مات لم یدود فی قبرہ[2]

**اگر یہ کہئے** کہ اونٹوں میں آلودگی نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقینی ہوسکتی ہے ــــ **میں کہوں گا** کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب مؤذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرنے والا، کثرت سے اللہ تعالٰی کا ذکر کرنے والا، ان کے بدن بگڑتے نہیں اسے علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پھر صدیقین اور خدا کے محبین کو ذکر کرکے ان کی تعداد کامل دس کردی ہے ــــ اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کردیا۔

مؤذن کے ساتھ محتسب (طالبِ ثواب) کی قید بتصریح حدیث ثابت ہے۔ طبرانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا: مؤذنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے



---

[1] شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۲/۸۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۳

وهو محمل اثر مجاهد المؤذنون اطول الناس اعناقا يوم القيمة ولا يدودون في قبورهم[1] رواه عبد الرزاق و ذلك بدليل الجزء الاول اطول الناس الخ۔

اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے ——— اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔ اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ——— اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔

اما حامل القرآن فحديث ابن مندة عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما انه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا مات حامل القرآن اوحى الله الى الارض ان لا تاكلي لحمه، فتقول الارض اي رب كيف آكل لحمه وكلامك في جوفه[2] قال ابن مندة وفي الباب عن ابي هريرة وابن مسعود۔

حافظِ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب حافظِ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے: اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جبکہ تیرا کلام اس کے سینے میں ہے"۔ ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔

وزاد فيه الشيخ قيد العامل به **اقول** به ولكن العامل به مرجو له ذلك وان لم يكن حامله فقد اخرج المروزي عن قتادة قال بلغني ان الارض لا تسلط على جسد

شیخ نے اس پر "قرآن پر عامل" کی قید کا اضافہ کیا ——— **اقول** مگر عامل قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے ——— مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلط نہیں

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب فضل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۸۳
[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۱۲ " دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸۴

الذی لم یعمل خطیئة الا ان یقال
ان وصف العامل به حامل للخطاء و
التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئة
هو الصالح المحفوظ ولا یشمل الصبی
فیما اظن[1] واللہ تعالٰی اعلم
وبضم ھذا اتموا عشرة وللہ الحمد
نبی[1]، ولی[2]، عالم[3]، شہید[4]، مرابط[5]،
میت طاعون[6]، مؤذن[7] محتسبین،
ذکار[8]، حامل القرآن[9]، من لم
یعمل خطیئة[10]۔

فان کان من تکفنه احد ھؤلاء
فذاك والا فما یدریك ان ھذا
المسلم لیس من اولیاء اللہ تعالٰی
او لم ینل منازل الشھداء بل من
الاشرار من لا یتغیر جسدہ تشدیدا
للتعذیب والعیاذ باللہ القریب المجیب۔

**ھذا** واما ما ایدہ به المحشی
ما قدم عن الفتح انه تکرہ کتابة
القرآن واسماء اللہ تعالٰی علی الدراھم
والمحاریب والجدران وما یفرش[2] اھ
ما فی الفتح قال المحشی فما ذلك الا لاحترامه
وخشیة وطئه ونحوہ مما فیه اھانة،

کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو، مگر یہ کہا جاسکتا ہے
کہ عاملِ قرآن کا وصف اس پر بھی صادق ہے جو خطاکار
اور تائب ہو پھر وُہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ایسا صالح
ہوگا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو ——— اور یہ وصف
میرے خیال میں بچے کو شامل نہیں، اور زیادہ علم
خدائے برتر کو ہے ——— اب اسے ملاکر پورے دس
ہوگئے: (۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید
(۵) مرابط (سرحد کا پاسبان) (۶) میتِ طاعون،
محتسب (۷) مؤذنِ محتسب (۸) بہت ذکر کرنے والا
(۹) حافظِ قرآن (۱۰) وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

تو جسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے
کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے ——— ورنہ کیا معلوم
کہ یہ مسلمان اللہ تعالٰی کے اولیا سے نہیں یا اسے
شہدا کا درجہ حاصل نہیں ——— بلکہ اشرار میں بھی
ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب
زیادہ سخت ہو ——— پناہ خدائے قریب مجیب کی۔

**اب رہا** وہ کلام جو اس کی تائید میں علامہ
شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم،
محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور
اسمائے الٰہی لکھنا مکروہ ہے (فتح کی عبارت ختم ہوئی)،
اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہی احترام
اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں

---

[1] مروزی — مسانید فی الحدیث
[2] رد المحتار — مطلب فیما یکتب علی کفن المیت — مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۷

فالمنع ههنا بالاولى مالم يثبت عن المجتهد او ينقل فيه حديث ثابت اھ[1] وهذا الذي حمله على العدول عن قول امام مذهبه الصفار الحنفي الى قول الامام ابن الصلاح من متاخري الشافعية۔

**فاقول** اما الكتابة على الفراش فامتهان حاضر او قصد مالا ينفك عن الامتهان فليس مما نحن فيه ولا كلام في كراهته واما على البواقي فالمسئلة مختلف فيها وقد اسمعناك انفا ما في جواهر الاخلاطي في حق الدراهم وقال الامام الاجل قاضي خان في فتاواه لوكتب القراٰن على الحيطان والجدران بعضهم قالوا يرجى ان يجوز وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت اقدام الناس اھ[2] فقد قدم رجاء الجواز وهو كما صرح به في ديباجة فتاواه لا يقدم الا الاظهر الاشهر ويكون كما نص عليه العلامة السيد الطحطاوي ثم السيد المحشي هو المعتمد فاذن فلتكن الكتابة المعهودة على اتخاذ الابل من لدن سيدنا الفاروق الاعظم رضي الله

ممانعت بدرجۂ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث ثابت منقول نہ ہو ــــ یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کرکے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔

**فاقول** (تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھنا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جدا ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے ــــ دراہم سے متعلق تو جواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کر آئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں: "اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہوگا، اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا" ــــ اس عبارت میں امید جواز کو انھوں نے مقدم رکھا ہے ــــ اور جیسا کہ اپنے فتاوے کے دیباچے میں وہ تصریح فرما چکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی "اظہر اشہر" ہوتا ہے ــــ اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی "معتمد" ہوتا ہے ــــ ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر



[1] رد المحتار مطلب فیما یکتب علی کفن المیت مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۷

[2] فتاوی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۹۲

تعالٰی عنہ مرجحۃ لقول الجواز ان فرضنا المساواۃ والا فلا نسلمہا من الاصل فان الکتابۃ علی المحاریب و الجدران انما یکون المقصود بہا غالبا الزینۃ ولیست من الحاجۃ فی شیئ فالمنع ثمہ لایستلزم المنع حیث الحاجۃ ماسۃ کالتمییز والتبرک و التوسل للنجاۃ باذن اللہ تعالٰی فافہم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

لکھی جانے والی تحریر معہود و معلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہئے ــــ اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں ــــ ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں ــــ تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا ــــ تو اسے سمجھو ــــ اور خدائے پاک بزرگ و برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

**مقامِ چہارم:** جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہاً و حدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے ہے بلکہ بالاولٰی، اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسل و تبرک بلاشبہہ محمود و مندوب ہے۔ تفسیر طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اذا کتب اسماء اھل الکہف فی شیئ والقی فی النار اطفئت۔[1]

جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈال دئے جائیں آگ بجھ جاتی ہے۔



تفسیر نیشاپوری علامہ حسن بن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے:

عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الکہف یصلح للطلب والہرب واطفاء الحریق تکتب فی خرقۃ ویرمی بہا فی وسط النار، ولبکاء الطفل تکتب وتوضع تحت راسہ فی المہد، وللحرث تکتب علی القرطاس و ترفع علی خشب منصوب فی وسط الزرع وللضربان وللحمی المثلثۃ والصداع

یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیلِ نفع و دفعِ ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچے میں لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچہ روتا ہو تو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندھ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثامن مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۷/۱۰۸

والغنى والجاه والدخول على السلاطين تشد على الفخذ اليمنى ولعسر الولادة تشد على فخذها الايسر، ولحفظ المال والركوب فى البحر والنجاة من القتل[1]

اور حصول تونگری و وجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظتِ مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں،

جب امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابو ذرعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضر خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ اپنا جمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا کہ پردہ ہٹا لیں خلق کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق کی یہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش۔ سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی، حضور نے فرمایا:

حدثنی ابو موسى الكاظم عن ابيه جعفر الصادق عن ابيه محمد الباقر عن ابيه زين العابدين عن ابيه الحسين عن ابيه على ابن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنهم قال حدثنى حبيبى وقرة عينى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال حدثنى جبريل قال سمعت رب العزة يقول لا اله الا الله حصنى فمن قال دخل حصنى امن من عذابى[2]

یعنی امام علی رضا امام موسیٰ کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

---

[1] تفسیر غرائب القرآن — ذکر اسماء اہل الکہف — مطبوعہ مصطفی البابی مصر — ۱۵/ ۱۱۰

[2] الصواعق المحرقہ — الفصل الثالث — مکتبہ مجیدیہ ملتان — ص ۲۰۵

یہ حدیث روایت فرماکر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑدیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس ہزار سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

لو قرأت ھذا الاسناد علی مجنون لبرئ من جنتہ[1] — یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھو تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔

**اقول** فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وہ برکات ہیں حالانکہ وہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیائے محمدیین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے، مسمّٰی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخرالدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ وجودِ شئی کی چار صورتیں ہیں: وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں۔ تو ان دو شق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّی قرار دیا ہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں: الاسم عین المسمی نام عین مسمّی ہے۔ امام رازی نے فرمایا: المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّٰی مقصود اتنا ہے کہ نام کا مسمّی سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام کی مسمّی پر دلالت تراشۂ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے۔ تو خالی اسماء ہی ایک اعلیٰ ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کہ اسناد اتصال بمحبوب ذوالجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب واولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسان کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعۂ توسل چاہیے، پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امیدگاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیالِ تنجیس آیا، شجرۂ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بناکر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائنتی کی طرف سے آتے ہیں اُن کے پیشِ نظر ہو خواہ جانبِ قبلہ کو میت کے پیش رو رہے اور اُس کے سکون واطمینان واعانت جواب کا باعث ہو، باذنہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی رسالہ "فیض عام" میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمولِ بزرگانِ دین بتاکر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وہ متاخرین شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی روا ہے۔ ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب وبجا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الصواعق المحرقہ الفصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ فی بعض اہل البیت مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۰۵

**مسئلہ ۱۶** از چھاؤنی اشرف خاں ۳۰ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ لے چلیں تو سرہانا آگے کریں یا پائنتی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پائنتی آگے کرنے کا حکم ہے میں نے علمائے دین سے پوچھ لیا ہے۔ اور قبر پر اذان کہنے کو ایک شخص حرام و ناجائز کہتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

اُس شخص نے محض غلط کہا، جنازہ لے چلنے میں سرہانے آگے کرنے کا حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذا فی المضمرات[1]۔ جنازہ لے چلنے میں سر آگے ہوگا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔ (ت)

قبر پر اذان دینے کو جس نے حرام کہا محض غلط کہا، اگر سچا ہے تو بتائے کہ کس آیت یا حدیث میں اس کو حرام فرمایا ہے، اگر نہ بتائے اور ہرگز نہ بتاسکے گا تو خدا اور رسول پر افتراء کرنے کا اقرار کرے۔ حرام وُہ ہے جسے خدا اور رسول نے حرام فرمایا اور واجب وُہ ہے جسے خدا اور رسول نے واجب کہا حکم دیا، لیکن وُہ چیزیں جن کا نہ خدا اور رسول نے حکم دیا نہ منع کیا وُہ سب جائز ہیں انھیں حرام کہنے والا خدا اور رسول پر افترا کرتا ہے، فقیر کا خاص اس باب میں رسالہ طبع ہوگیا ہے اُسے دیکھ کر اس اذان کے فوائد معلوم کریں اس میں پندرہ دلیلوں سے اس کی اصل جواز کا ثبوت دیا گیا ہے، جو مدعی حرمت کا ہے پہلے اس کے حرام ہونے کا آیت و حدیث سے ثبوت دے، جب نہ دے سکے تو اپنے کذب کا اقرار اور اذان کے جائز ہونے کا اعتراف کرے اس کے بعد جو بیان ہووے سب ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۱۷** از ملک مالوا شہر اندور چھپنیہ باکھل مرسلہ اسمٰعیل قادری احمد آباد والا

یہاں میت ہوگئی تھی، اس کے کفنانے کے بعد پھولوں کی چادر ڈالی گئی، اس کو ایک پیش امام افغانی نے اتار ڈالا اور کہا یہ بدعت ہے ہم نہ ڈالنے دیں گے، دوسرے جو غلاف کا پارچہ سیاہ کعبہ شریف سے لاتے ہیں وہ ٹکڑا ڈالا ہوا تھا اُسے ہٹادیا اور کہا کہ یہ روافض کا رواج ہے ہم نہ ڈالیں گے اُسے الگ ہٹا کے اُس نے نماز جنازہ پڑھائی۔

## الجواب

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اصلاً حرج نہیں بلکہ نیت حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۲

پھول ڈالا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں، اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اُترتی ہے ۔
فتاوٰی عالمگیری میں ہے :

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[1]۔ قبروں پر گلاب اور پھولوں کا رکھنا اچھا ہے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان و امداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح و رد المحتار علی الدر المختار میں ہے :

انہ مادام رطبا یسبح فیؤنس المیت و تنزل بذکرہ الرحمۃ[2]۔ پھول جب تک تر رہے تسبیح کرتا رہتا ہے جس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے (ت)

یُونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبۂ معظمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے اور اسے واجِ روافض بتانا محض جھُوٹ ہے، اسد الغابہ وغیرہا میں ہے :

لما حضرہ الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیہ افضل الصلوٰۃ و السلام کساہ ایاہ، وان یجعل مما یلی جسدہ وکان عندہ قلامۃ اظفارہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیہ وفمہ، وقال افعلوا ذلک وخلوا بینی وبین ارحم الراحمین[3]۔ جب حضرت امیر معاویہ کا آخری وقت آیا یہ وصیت فرمائی کہ اُنھیں اس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے انھیں عطا فرمائی تھی اور یہ اُن کے جسم سے متصل رکھی جائے ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخنِ پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ باریک کرکے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دئے جائیں، فرمایا کہ یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔ (ت)

**مسئلہ** از سُورت اسٹیشن سائن، موضع کٹھور، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہاں رواج ہے کہ شخص میت کو بعد تغسیل و تکفین کے جنازے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱
[2] رد المحتار مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۶
[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ باب المیم والعین مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/۳۸۷

میں رکھتے ہیں، اور جنازہ کی چھتری پر غلاف ڈال کے اس پر مرد کے واسطے شال اور عورت کے واسطے دامنی ڈالا کرتے ہیں اور پھر اس شال یا دامنی پر پھولوں کی ایک چادر بنا کر ڈالتے ہیں تو آیا یہ امر واسطے مرد کے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

## الجواب

جنازۂ زنان پر چھتری یا گہوارہ بنا کر غلاف و پردہ ڈالنا مستحب و ماثور ہے، ایسا ہی چاہئے، اور جنازۂ مرداں میں نہ اس کی حاجت نہ سلف سے عادت۔ ہاں بارش یا دھوپ وغیرہ کی شدت سے بچانے کو بنائیں تو کچھ حرج نہیں، فی کشف الغطاء (کشف الغطاء میں ہے):

اولیٰ آنست کہ پوشیدہ شود جنازۂ زنان را و مستحسن داشتہ اند گرفتن صندوق را برائے وے نہ برائے مرد۔ مگر آں کہ ضرورتے داعی باشد چون خوفِ باران و برف و شدتِ گرما و نحو آن[1]

عورتوں کے جنازہ کو چھپا دینا بہتر ہے اور اس کے لئے صندوق بنانا علماء نے مستحسن قرار دیا ہے مرد کیلئے نہیں، مگر یہ کہ کوئی ضرورت داعی ہو بارش اور برف کا اندیشہ ہو یا سخت گرمی وغیرہ ہو۔ (ت)

اور دوشالہ وغیرہ بیش بہا کپڑے ڈالنے سے اگر ریاء و تفاخر مقصود ہو تو وہ حرام ہے نہ کہ خاص معاملہ میت و اولین منازل آخرت میں، اور اگر زینت مراد ہو تو وہ بھی مکروہ۔

فی الشامیۃ عن الطحاویۃ ویکرہ فیہ کل ماکان للزینۃ[2]

شامی میں طحاوی کے حوالے سے ہے، اس میں وہ سب مکروہ ہے جو زینت کے لئے ہو۔ (ت)

ہاں تصدق منظور ہو تو وہ بیشک محمود۔ مگر تصدق کچھ اس پر موقوف نہیں کہ جنازہ پر ڈال ہی کر دیں، یونہی پھولوں کی چادر بہ نیتِ زینت مکروہ، اور اگر اس قصد سے ہو کہ وہ بحکم احادیث خفیف الحمل و طیب الرائحہ و مسبح خدا و مونسِ میّت ہے تو حرج نہیں۔

کما فی القبور ففی الھندیۃ وغیرھا وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسے قبروں میں کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل پنجم مطبع احمدی دہلی ص ۳۲

[2] رد المحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۷۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

**مسئلہ ۱۹** از مانا دور ملک کاٹھیاواڑ مرسلہ ماسٹر اسمٰعیل صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

تمام لوگ بوجہ رسم کے باوجود اس امر کے کہ ملّا صاحب فرماتے ہیں ہم نہیں آئیں گے، ریشمی کپڑا یا رنگ برنگ کی چادریں میت پر ڈالتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو، مجبوراً ڈلوانا کہاں تک جائز ہے؟

## الجواب

جبر حرام ہے اور بخوشی بھی نہ ہو اگر ملّا فقیر نہیں یعنی چھپن روپے کے مال کا مالک ہے جو قرض وغیرہ میں مشغول نہیں، نیز ایک رسم بے ثبوت کا ایسا التزام نہ چاہئے جبر کرنے والا ملّا نہیں کٹھیا ہے واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۲۰** از دلگیر گنج پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

اگر عورت مرجائے تو شوہر اس کے جنازے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟

## الجواب

جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھوں پر اٹھاتے، قبر تک لے جاتے ہیں، شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ مسئلہ جاہلوں میں محض غلط مشہور ہے۔ ہاں شوہر کو اپنی زنِ مردہ کا بدن چھونا جائز نہیں، دیکھنے کی اجازت ہے کما نص علیہ فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ ت) اجنبی کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ محارم کو پیٹ، پیٹھ اور ناف سے زانو تک کے سوا چھونے کی بھی اجازت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم



**مسئلہ ۲۱** زوجہ کا جنازہ شوہر کو چھونا کیسا ہے؟ چھونا چاہئے یا نہیں؟ شوہر کا اپنی زوجہ کا منہ قبر میں رکھنے کے بعد دیکھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

## الجواب

شوہر کو بعد انتقالِ زوجہ قبر میں خواہ بیرونِ قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اتارنا جائز ہے اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں، ہاں بلا حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہوتا ہے، زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اُسے غسل دینا بھی جائز رہتا ہے۔ یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۲۲** ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

ہندوستان کے لوگوں کا دستور ہے کہ جب عورت کی حالتِ نزع ہوتی ہے تب اُس کے شوہر کو اُس کے پاس نہیں جانے دیتے اور اس کا شوہر حالتِ نزع میں اُس کے پاس نہیں جاتا اور اُس عورت کی تکفین وتدفین

میں بھی شوہر کو نہیں شریک کرتے اور کہتے ہیں اب اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، آیا یہ فعل اُن کا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

جب تک جسمِ زن میں رُوح باقی ہے اگرچہ حالتِ نزع ہو بلاشبہہ اس کی زوجہ ہے اور اس وقت شوہر کو پاس نہ آنے دینا ظلم ہے اور اُسی وقت سے رشتہ منقطع سمجھ لینا سخت جہل ہے، اور بعد موتِ زن بھی شوہر کو دیکھنے کی اجازت ہے البتہ ہاتھ لگانا منع ہے کما نص علیہ فی التنویر والدر وغیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۲۳** از پنجاب ضلع جہلم ڈاک خانہ و ریلوے اسٹیشن ترقی موضع غازی ناڑہ مرسلہ سید محمد مجید الحسن صاحب ۵ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

مشہور خدمت جناب صاحب حجتِ قاہرہ مجددِ مائۃ حاضرہ مولنا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلکم علی راس المسترشدین بعد سلام سنۃ الاسلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے ایک طائفہ بحر الرائق و مراقی الفلاح و قاضی خاں و عالمگیری وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے، آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے کئی ماہ کے تنازع کا فیصلہ ہوگا۔ عبارات فریق قائل کراہت۔ ردالمحتار:

قیل تحریما وقیل تنزیہا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنھا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکر فی نفسہ لقولہ تعالٰی انہ لا یحب المعتدین ای الجاھرین بالدعاء قلت اذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان[1]

کہا گیا کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی جیسا کہ بحر میں غایہ سے منقول ہے، اور اُس میں اسی سے یہ بھی ہے: جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو برابر سکوت رکھنا چاہئے، اور اسی میں ظہیریہ سے ہے: اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں کرے اس لئے کہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: وُہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ـــ یعنی دُعا میں جہر کرنے والوں کو ـــ میں کہتا ہوں یہ جب دعا و ذکر کا حکم ہے تو اُس نغمہ اور گانے کا کیا حال ہوگا جو اس زمانے

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۸

بحرالرائق ينبغی لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت ويكره رفع الصوات بالذكر وقراءة القراٰن[1] الخ

کی پیداوار ہے ——— البحرالرائق میں ہے جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے اور بلند آواز سے ذکر وتلاوت قرآن مکروہ ہے الخ (ت)

عبارت فریق قائل بجلت

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یمشی خلف الجنازة الا قول لا الہ الا اللہ اخرجہ ابن عدی فی ترجمة ابراھیم[ف] بن ابی حمید وضعفہ تخریج احادیث الھدایة لابن حجر[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنازہ کے پیچھے چلتے تو حضور سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ سنا جاتا ——— ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حمید کے حالات میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ تخریج احادیث ہدایہ از علامہ ابن حجر۔ (ت)

یعنی اس سے ادنٰی جہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔ بینوا توجروا۔

## الجواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ، ہاں کتبِ حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکرِ جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفسِ ذکرِ جہر کو بکثرت کتبِ حنفیہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاقاتِ قرآن عظیم واحادیثِ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عند التحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارض خارجہ غیر لازمہ ہے جیسا کہ علامہ خیرالدین رملی استاذ صاحبِ درمختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوٰی میں اُسے منقح کیا، یہاں بھی اُس کا منشاء عوارض ہی ہیں قلب ہمراہیاں کا مشوش ہونا یا موت سے دوسری طرف توجہ کرنا انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمانِ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ تصورِ موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میت اُن میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب

---

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۹۲

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ابراہیم بن احمد کے تحت " دارالفکر بیروت ۱/۲۶۹

صحیح بخاری کتاب الحیض " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴

[ف] ھو ابراھیم بن احمد الحرانی الضریر، انظر حاشیة نصب الرایة ۲/۲۹۲

ابراھیم الحرانی ھو ابن ابی حمید متھم بوضع الحدیث، انظر اللسان ۱/۲۸ نذیر احمد سعیدی

قبر میں رکھیں گے، والہذا علماء نے سکوتِ محض کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ تو جائیگا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ حاشَ ﷲ ذکرِ خدا و رسول نہ کسی وقت منع ہے۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يذكر الله تعالٰى على كل احيانه[1]۔ رواه مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجة وعلقه البخاری۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر ایک وقت خدا کا ذکر کیا کرتے۔ اسے مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور بخاری نے تعلیقاً روایت کیا۔ (ت)

نہ کوئی چیز اس سے بہتر، قال اللہ عزوجل ولذکر اللہ اکبر[2] (اللہ عزوجل نے فرمایا: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔ ت) اب کہ زمانہ منقلب ہُوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات فضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ و لہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکرِ خدا و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب و کارِ ثواب ہے، معہذا جنازہ کے ساتھ ذکرِ جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے، اور ترجیح بھی مختلف آئی۔ قنیہ میں کراہت تنزیہہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاوٰی تتمہ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید و مجتبٰی و حاوی و بحر الرائق وغیرہا کے لفظ ینبغی کا مفاد ہے اور ترکِ اولٰی اصلاً گناہ نہیں کما نصوا علیہ وحققناہ فی جمل مجلیۃ (جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے اور ہم نے اپنے رسالے جُمَلٌ مُجَلِّیَۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ[12] میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بدخواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا مگر متقشف کہ مقاصدِ شرع سے جاہل و ناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت و شہرت چاہتا ہو، بلکہ ائمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اُس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو، بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو، مثلاً سُورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہوں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں اُسے سجدہ تو کریں اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے، امام علامہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

[2] القرآن ۲۹/ ۴۵

عارف باللہ ناصح الامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کتاب مستطاب الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ میں فرماتے ہیں :

قال فی شرح الطحاوی علی مشیع الجنازۃ الصمت وعبر فی المجتبی والتجرید و الحاوی ینبغی ان یطیل الصمت و سنن المرسلین الصمت معہا کذا فی منیۃ المفتی ویکرہ لھم رفع الصوت کراھۃ تحریم و قیل تنزیہ، مبتغی، کراھۃ تنزیہ و قیل تحریم، قنیۃ، وھو یکرہ علی معنی انہ تارك الاولی کما عزاہ فی التتمۃ الی والدہ وفی شرح شرعۃ الاسلام المسمی بجامع الشروح یستکثر من التسبیح والتھلیل علی سبیل الاخفاء خلف الجنازۃ ولایتکلم بشیئ من امر الدنیا لکن بعض المشائخ جوزوا الذکر الجھری ورفع الصوت بالتعظیم بغیر التغییر بادخال حرف فی خلالہ قدام الجنازۃ وخلفھا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ والظلمۃ وازالۃ صداء القلوب قساوتہا بحب الدنیا وریاستہا وفی کتاب العھود المحمدیۃ للشیخ الشعرانی قدس اللہ تعالٰی سرہ ینبغی لعالم الحارۃ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ عدم اللغو فیہا وذکر من تولی وعزل من

شرح طحاوی میں ہے : جنازہ کے ساتھ چلنے والے پر خاموشی لازم ہے ـــــ مجتبی ، تجرید اور حاوی کے الفاظ یہ ہیں کہ : اسے طول سکوت اختیار کرنا چاہئے حضرات رُسل علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاموش رہیں ۔ اسی طرح منیۃ المفتی میں ہے ـــــ لوگوں کا آواز بلند کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی ہے ، مبتغی ـــــ کراہت تنزیہ ہے اور کہا گیا کہ کراہتِ تحریم ہے ، قنیہ ـــــ آواز بلند کرنا مکروہ ہے یعنی ترک اولٰی ہے ، جیسا کہ تتمہ میں اسے اپنے والد کے حوالے سے ذکر کیا ۔ اور شرعۃ الاسلام کی جامع الشروح نامی شرح میں یہ ہے کہ : جنازہ کے پیچھے بسرّی طور پر زیادہ سے زیادہ تسبیح و تہلیل کرے ، کوئی دنیاوی بات نہ بولے ، لیکن بعض مشائخ نے جہری ذکر کو بھی جائز کہا ہے اس طرح کہ درمیان میں کوئی بات ڈالے بغیر جنازہ کے آگے اور پیچھے تعظیم کے ساتھ بآوازِ بلند ذکر کریں تاکہ میت اور دوسرے زندوں مردوں کو تلقین ہو ، غافل ظالموں کو تنبیہ ہو ، دنیا کی محبت و ریاست سے دلوں میں جو زنگ اور درشتی ہے وہ دور ہو ـــــ علامہ شعرانی قدس سرہ کی کتاب العہود المحمدیہ میں ہے کہ عالمِ محلہ کو چاہئے کہ لوگ جنازہ کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں انہیں تعلیم دے کہ لغو سے پرہیز کریں اس طرح کی باتوں میں نہ پڑیں کہ فلاں حکمران بنا ، فلاں والی

الولاة او سافر ورجع من التجار ونحو
ذلك وكان السلف الصالح لا يتكلمون
فى الجنازة الا بما ورد وكان الغريب لا يعرف
من هو القريب من الميت حتى يعرف
لغلبة الحزن على الحاضرين كلهم وكان
سيدى على الخواص رضى الله تعالىٰ عنه
يقول اذا علم من الماشين مع الجنازة
انهم لا يتركون اللغو فى الجنازة ويشتغلون
باحوال الدنيا فينبغى ان يامرهم
بقول لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله
تعالىٰ عليه وسلم فان ذلك
افضل من تركه ولا ينبغى لفقيه ان
ينكر ذلك الا بنص او اجماع فان
مع المسلمين الاذن العام من
الشارع بقول لا اله الا الله محمد
رسول الله فى كل وقت شاؤا ويا لله العجب
من عمى قلب من ينكر مثل هذا وربما عزم
عند الحكام الفلوس حتى يبطل قول
المؤمنين لا اله الا الله محمد رسول الله صلى
الله تعالىٰ عليه وسلم فى طريق الجنازة و
هو يرى الحشيش يباع فلا يكلف خاطره
ان يقول للحشاش حرم عليك بل رأيت
فقيها منهم ياخذ معلوم امامة
من فلوس بائع الحشيش
فنسأل الله العافية

معزول ہوا، فلاں تاجر سفر میں گیا، فلاں واپس آیا۔
سلف صالحین کی روش یہ تھی کہ جنازہ میں کچھ نہ بولتے
مگر وُہ جو حدیث میں وارد ہے۔ سارے حاضرین
پر حزن وغم کا ایک ایسا غلبہ رہتا کہ اجنبی اور پردیسی
شخص کو جب تک بتایا نہ جائے یہ معلوم ہی نہ ہوتا
کہ میّت کا قریبی کون ہے ـــــ سیدی علی خواص
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنازہ کے ساتھ
چلنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وُہ لغو سے
باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے
تو انھیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم پڑھنے کا حکم دینا چاہیے کیونکہ ایسی حالت
میں اسے پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور
کسی فقیہ کو بغیر نص یا اجماع کے اس سے انکار
مناسب نہیں ـــــ اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے
شارع کی جانب سے وُہ جب بھی چاہیں لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ پڑھنے کی عام اجازت ہے۔ الٰہی
عجب ہے اس شخص کی قلبی نابینائی سے جو ایسے
امر پر تو نکیر کرتا ہو اور جنازہ کے راستے میں لا الٰہ الا
اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنے کو
باطل کہہ کے حکّام کے یہاں مال حاصل کرنا چاہتا ہو
دُوسری طرف یہ حال ہو کہ بھنگ بکتی دیکھے تو بھنگ
فروش سے یہ کہنے کی زحمت گوارا نہ ہو کہ یہ تجھ پر حرام
ہے ـــــ بلکہ اس طبقے کے ایک فقیہ کو میں نے
دیکھا کہ وُہ بھنگ فروش کے مال سے اپنی امامت
کی تنخواہ وصول کرتا ـــــ تو خدا ہی سے عافیت کا

و ذكر الشعراني ايضا رحمه الله تعالٰى
في كتابه عهود المشائخ قال لا نمكن
احدا من اخواننا ينكر شيئا ابتدعه المسلمون
على جهة القربة الى الله تعالٰى
وراٰوه حسنا لاسيما ما كان متعلقا
بالله تعالٰى و رسوله صلى الله تعالٰى عليه
وسلم كقول الناس امام الجنازة
لا اله الا الله محمد رسول الله صلى الله
تعالٰى عليه وسلم وقراءة القراٰن امامها
و نحو ذٰلك فمن حرم ذلك فهو
قاصر عن فهم الشريعة لانه ما كل ما لم
يكن على عهد رسول الله صلى الله
تعالٰى عليه وسلم يكون مذموما ولو
فتح هذا الباب لردت اقوال المجتهدين
في جميع ما استحبوا من المحاسن
ولا قائل به وقد فتح رسول الله صلى
الله تعالٰى عليه وسلم لعلماء امته هذا
الباب و اباح لهم ان يسنوا كل شئ
استحسنوه و يلحقوه بشريعة رسول الله
صلى الله تعالٰى عليه وسلم بقوله صلى الله
تعالٰى عليه وسلم من سن سنة حسنة فله
اجره من يعمل بها وكلمة لا اله الا الله محمد
رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اكبر
الحسنات فكيف يمنع منها و
تأمل احوال غالب الخلق

سوال ہے —— علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے
اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرمایا ہے کہ: ہم اپنے
دوستوں میں سے کسی کو ایسے امر پر نکیر کی اجازت
نہ دیں گے جسے مسلمانوں نے اللہ عز وجل کی بارگاہ
میں تقرب کے طور پر ایجاد کیا ہو اور اسے اچھا جانتے
ہوں. خصوصاً ایسا کام جس کا تعلق خدائے تعالٰے
اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہو جیسے
جنازہ کے آگے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم پڑھنا اور اس کے سامنے قرآن کی
تلاوت کرنا، یا ایسے دوسرے کام —— جو اسے حرام
کہے وہ فہم شریعت سے قاصر ہے، اس لئے کہ ہر
وہ کام جو عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں
نہ رہا ہو برا نہیں۔ اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین
کرام کے وہ سارے اقوال مردود ٹھہریں جو انھوں
نے اپنی پسند کردہ اچھی چیزوں کے بارے میں فرمائے
ہیں —— اور اس کا کوئی قائل نہیں —— خود رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کیلئے
یہ دروازہ کھول رکھا ہے اور انھیں اجازت دی
ہے کہ جو طریقہ بھی اچھا سمجھیں اسے جاری کریں
اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت میں
شامل کریں یہ اجازت حضور صلی اللہ تعالٰی
تعالٰے علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے
ثابت ہے: جو شخص کوئی اچھا کام ایجاد کرے اسے
اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر آئندہ
سارے عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا ——

الآن فی الجنازۃ تجدھم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبھم غافل عن جمیع ما وقع لہ بل رأیت منھم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمنا ذکر اللہ عزوجل فلو صاح کل من فی الجنازۃ لا الٰہ الا اللہ فلا اعتراض ولم یاتنا فی ذلک شیئ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلو کان ذکر اللہ تعالٰی فی الجنازۃ منھیا عنہ لبلغنا ولو فی حدیث کما بلغنا فی قراءۃ القرآن فی الرکوع وشیئ سکت عنہ الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوائل الاسلام لایمنع منہ اواخر الزمان[1] اھ باختصار قلیل۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو سب سے بڑی نیکی ہے پھر اس سے کیوں کر روکا جائے گا؟ ــــ اس زمانے میں جنازے کے اندر اکثر لوگوں کے احوال پر نظر کرو دنیا کی باتوں میں مشغول ملیں گے جنھیں میت کے حال سے کوئی عبرت نہیں، ان کا دل اس سارے واقعے سے غافل ہے، بلکہ ان میں ہنسنے والے بھی نظر آئیں گے ــــ ذکر ذکریں تو یہ حالت ہے اور ذکر میں مشغول ہوں تو یہ اعتراض ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا۔ ہمارے نزدیک جب ایسا تعارض درپیش ہے تو ہم اللہ کے ذکر کو مقدم رکھیں گے ــــ اب اگر سارے شرکاء جنازہ پکار کر لا الٰہ الا اللہ کہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس سے ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ارشاد وارد نہیں۔ اگر جنازے میں ذکر الٰہی ممنوع ہوتا تو کسی نہ کسی حدیث میں تو یہ حکم وارد ہوتا، جیسے رکوع میں قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے تو اس بارے میں حدیث آئی ہے۔ تو جس چیز سے ابتدائے اسلام میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت فرمایا وہ ہمارے آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہوسکتی اھ باختصار قلیل (ت)

اس کلامِ جمیل امامِ جلیل رحمہ اللہ تعالٰی کا خلاصہ ارشادات چند افادات:

(۱) سلف صالح کی حالت جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہلِ میت کون ہے اور باقی ہمراہ کون، سب ایک سے مغموم و محزون نظر آتے، اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیاوی باتیں

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الصنف الثالث کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۹-۸

میں مشغول ہوتے ہیں، موت سے انھیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، ان کے دل اس سے غافل ہیں کہ میت پر کیا گزری، فرماتے ہیں، بلکہ میں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا و رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

(۲) نیز اس میں میت کو تلقینِ ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سُن سُن کر سوالاتِ نکیرین کے جواب کے لئے تیار ہو۔

(۳) سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکرِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اذنِ عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار کیا مناسب ہے؟

(۴) نیز انھی امام عارف نے فرمایا، الٰہی جو اس سے منع کرے اس کا دل کس قدر سخت اندھا ہے، جنازے کے ساتھ ذکرِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اس سے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے۔ فرماتے ہیں بلکہ میں نے انھی میں ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

(۵) امام عارف باللہ سیدی شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: اکابر کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اُس سے منع نہ کریں گے خصوصاً جب وہ اللہ و رسول عزجلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو، جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمۂ شریف یا اور ذکرِ خدا و رسول کرنا جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۶) نیز امام ممدوح فرماتے ہیں: جو اُسے ناجائز کہے اُسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

(۷) نیز فرماتے ہیں، ہر وہ بات کہ زمانِ برکت توأمانِ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی، ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو ائمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں اُن کے وہ سب اقوال مردود ہو جائیں۔

(۸) فرماتے ہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ (جو شخص دینِ اسلام میں نیک بات نکالے اُسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجا لائیں سب کا ثواب اُس ایجاد کنندہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے) علمائے امت کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کر کے جاری کریں اور انھیں شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملحق کریں، یعنی جب حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک نئی بات نئی پیدا ہو گئی وہ نئی

نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۹) فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں اُس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر جنازے کے ساتھ ذکرِ الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی، جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے، تو جس چیز سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہا ذکرِ خدا و رسول عزوعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اُس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔

نیز امام نابلسی ممدوح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

لاینبغی ان ینھی الواعظ عما قال بہ امام من ائمۃ المسلمین بل ینبغی ان یقع النھی عما اجمع الائمۃ کلھم علی تحریمہ[1]۔

یہ نہ چاہیے کہ واعظ ایسی چیز سے روکے جسے ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے جائز کہا ہو بلکہ ممانعت ایسے کام سے ہونا چاہیے جس کی حرمت پر سب ائمہ کا اجماع ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تحریما صلوۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[2] اھ قلت ونقلہ سیدی عبدالغنی فی الحدیقۃ عن شرح الدرر لابیہ عن المصفی شرح النسفیۃ عن الشیخ الامام الاستاذ حمید الدین عن شیخہ الامام الاجل جمال الدین

سورج نکلتے وقت نماز مکروہِ تحریمی ہے مگر عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ نماز ہی ترک کردیں گے ـــ جبکہ ترک سے وہ ادائیگی بہتر ہے جو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے اھ ـ میں کہتا ہوں اسے سیدی عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اپنے والد کی شرح درر سے نقل کیا ہے اُس میں نسفیہ کی شرح مصفی سے۔ اس میں شیخ امام استاذ حمید الدین سے نقل ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ امام اجل جمال الدین محبوبی سے



---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۱

[2] درمختار کتاب الصلوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

المحبوبی وایضا عن شمس الائمة الحلوانی
وعن القنیة عن النسفی والحلوانی وایضا فی
ردالمحتار عن البحر عن المجتبی عن
الامام الفقیه ابی جعفر فی مسئلة التکبیر
فی الاسواق فی الایام العشر الذی عندی
انه لاینبغی ان تمنع العامة عنه
لقلة رغبتهم فی الخیر وبه ناخذ اھ[1] وفی
الحدیقة الندیة، ومن ھذا القبیل نھی الناس
عن صلوة الرغائب بالجماعة وصلوة
لیلة القدر ونحو ذلك وان صرح العلماء
بالکراھة بالجماعة فیھا فلا یفتی بذلك
العوام لئلا تقل رغبتهم فی الخیرات[2]
واللہ تعالٰی اعلم۔

نقل کیا ہے۔ اور شمس الائمہ حلوانی سے اور قنیہ سے اُس
میں نسفی وحلوانی سے بھی نقل کیا ہے ــــ اور ردالمحتار
میں بحر سے، اس میں مجتبٰی سے، اس میں امام فقیہ
ابوجعفر سے عشرۂ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر
کہنے کے مسئلہ میں نقل ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے
کہ عوام کو اس سے نہ روکا جائے کہ اس کی وجہ سے
نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوجائے گی۔ اور ہم اسی
کو لیتے ہیں اھ ــــ حدیقہ میں ہے: اسی قبیل سے
جماعت کے ساتھ صلوٰۃ الرغائب اور نماز شب قدر
اور اس جیسے افعال سے نہی کا معاملہ ہے کہ اگرچہ
علمائے جماعت کے ساتھ یہ نماز مکروہ ہونے کی صراحت
فرمائی ہے مگر عوام کو اس کا فتوٰی نہ دیا جائے گا کہ
نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہوجائے ــــ اور
خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

**مسئلہ ۲۴:** از احمد آباد گجرات محلہ جمال پورہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں جنازہ کے ہمراہ کلمۂ طیب کا ذکر احباب اہلسنّت درمیانی آواز سے کرتے ہیں، اسے بعض مکروہِ تحریمی وتنزیہی کہتے ہیں ان کی تردید میں علمائے اہلسنّت نے چار رسالے تصنیف کرکے شائع کئے ہیں اور وہ اہلِ حق کے پاس موجود ہیں، الحمدللہ علٰی ذٰلک، اب ضرورت اس مسئلہ کی اہلسنت کو ہے، حضرت خواجہ بہاءُ الدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز نے اپنے جنازہ میں فارسی کے اشعار اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنازہ میں عربی کے اشعار پڑھنے کی اپنے مریدوں کو وصیت کی ــــ مقاماتِ مظہریہ ص ۱۵۷ میں ہے:

می فرمودند کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۴

[2] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۰

فرمودند کہ فاتحہ خواندن پیشِ جنازہ ما و کلمۂ طیب و آیت شریفہ بے ادبی ست ایں دو بیت بخوانید ؎

(۱) مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمالِ روئے تو

(۲) دست بکشا جانب زنبیل ما
آفریں بر دست و بر پہلوئے تو

من ہم میگویم پیش جنازہ من ہمیں اشعار بخوانند ؎

(۱) وقدت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات والقلب السلیم

(۲) فحمل الزاد اقبح کل شیٔ
اذا کان الوفود علی الکریم[1]

نے فرمایا: ہمارے جنازہ کے سامنے فاتحہ، کلمہ طیب اور آیت شریف پڑھنا بے ادبی ہے یہ دو شعر پڑھنا:

(۱) ہم مفلس آپ کی گلی میں آئے ہیں، خدا کے لئے اپنے جمالِ رُخ کا کچھ صدقہ عطا ہو۔

(۲) ہماری جھولی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، آپ کے ہاتھ اور آپ کے پہلو پر آفریں ہو۔

میں بھی کہتا ہوں کہ میرے جنازہ کے سامنے یہی اشعار پڑھنا:

(۱) کریم کے دربار میں قلبِ سلیم اور نیکیوں کا کوئی توشہ لئے بغیر حاضر ہو رہا ہوں۔

(۲) کہ جب کسی کریم کے دربار میں حاضری ہو تو توشہ لے کر جانا بہت بُری بات ہے۔ (ت)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز مولانا خالد کردی کے مرشد برحق ہیں، ضمیمہ مقاماتِ مظہریہ کے ص ۲۹ میں مولانا خالد کردی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

(۱) وانالنی اعلی المأرب والمنی
اعنی لقاء المرشد المفضال

(۲) من نور الآفاق بعد ظلامہا
وھدی جمیع الخلق بعد ضلال

(۳) اعنی غلام علی القرم الذی
من لحظہ یحیی الرمیم البالی



(۱) مجھے سب سے بلند مقصد و آرزو عطا فرمائی یعنی بڑے فضل و کرم والے مرشد کی صحبت نصیب کی۔

(۲) وہ جس نے تاریک آفاق روشن کر دئے اور ساری گمراہ مخلوق کو ہدایت فرمائی۔

(۳) یعنی وہ سردار عظیم غلام علی جس کی نظر سے بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔

اور یہ مولانا خالد کردی علامہ شامی کے مرشد ہیں، اس کا ثبوت ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۵۲ م کی اس عبارت سے ہے:

---

[1] مقاماتِ مظہریہ
[2] ضمیمہ ″ ″

وقد بسطنا الکلام فی رسالتنا سل الحسام الھندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی[1]

اور ہم نے اپنے رسالہ "سل الحسام الھندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی" میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔(ت)

علامہ شامی کے دادا مرشد کے جنازہ میں عربی اشعار اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہ اللہ تعالٰی کے جنازہ میں فارسی اشعار پڑھے گئے، ان اشعار کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو دلائل کیا ہیں؟ جو مکروہ تحریمی کہتے ہیں وہ علامہ شامی کی ردالمحتار ج ۱ ص ۹۳۲ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں:

(قولہ کما کرہ الخ) قیل تحریما وقیل تنزیھا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنہا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکرہ فی نفسہ لقولہ تعالٰی انہ لا یحب المعتدین ای المجاھرین بالدعاء وعن ابراھیم انہ کان یکرہ اذ یقول الرجل وھو یمشی معہا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت واذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان[2]

(جیسا کہ مکروہ ہے) کہا گیا تحریمی، اور کہا گیا تنزیہی' جیسا کہ بحر میں غایہ کے حوالے سے ہے اور اسی میں اس کے حوالے سے یہ بھی ہے: جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے' اور اس میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے۔ اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے اس لئے کہ ارشاد باری ہے: بیشک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی وہ جو بلند آواز سے دُعا کرتے ہیں ___ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ جب وہ جنازے کے ساتھ چلتے اور کوئی بولتا "اس کے لئے استغفار کرو خدا تمھاری مغفرت فرمائے" تو انھیں ناگوار ہوتا اھ میں کہتا ہوں جب دُعا و ذکر کا یہ حکم ہے تو اس نغمہ زنی کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جو اس زمانے میں پیدا ہوگئی ہے۔ (ت)

اس عبارت سے حضرت شاہ غلام علی و حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہما نے جو فارسی و عربی کے اشعار اپنے جنازوں میں پڑھوائے اُن کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور عدم کراہت و جواز اُن اشعار کی کیا وجہ ہے اور غناء حادثات کی کراہت کی کیا وجہ ہے، دونوں کا حکم بیان فرمائیں، اور یہاں جنازہ کے ہمراہ یہ اشعار اردو کے بھی ایک حضرت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں ان اشعار کو

[1] ردالمحتار کتاب النکاح قبیل فصل فی المحرمات ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۷۶

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۸

پڑھیں یا نہیں ؎

یا پنجتن بچانا جب جان تن سے نکلے | نکلے تو یا محمد کہہ کر بدن سے نکلے
آئے گا میرا پیارا باجے گی دھن کی مُرلی | جب وہ مرا سنوریا جوبن کے بن سے نکلے
میرے مریضِ دل کی امید ہے تو یہ ہے | زانو پہ اُس کے سر ہو اور جان تن سے نکلے
نکلے جنازہ میرا اُس یار کی گلی سے | تو کلمہ شہادت سب کے دہن سے نکلے
کیا لایا تھا سکندر دنیا سے لے گیا کیا | تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

## الجواب

اللہ عزوجل کا ذکر اصل مقصود و اجل مقاصد و مغز جملہ عبادت ہے اقم الصلوٰۃ لذکری[1] (میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ ت) وہ ہر حال میں مطلوب،

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلٰی جنوبھم[2] — وہ کھڑے بیٹھے، کروٹوں پر لیٹے اللہ تعالٰے کا ذکر کرتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ[3] — رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبھی اوقات میں خدا کا ذکر کیا کرتے۔ (ت)

بلا تقیید اُس کی تکثیر کا حکم:

واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون[4]۔ — اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (ت)

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون[5] (الحدیث) — اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے۔ (ت)

ذکر کے لئے انحاء کثیرہ ہیں، قلبی و لسانی و خفی و جلی و تلاوت و ثناء و درود و دعا و عبادات و طاعات۔ باوصف اطلاق بعض مقامات کو بعض انحاء سے خصوصیت ہوتی ہے۔ محلِ جنازہ مقامِ تفکر ہے کہ ذکرِ قلبی ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الثقلین (گھڑی بھر کا تفکر انسانوں اور

---

[1] القرآن ۲۰/۱۴
[2] القرآن ۳/۱۹۱
[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۴۹۹
[4] القرآن ۶۲/۱۰
[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابو سعید دار الفکر بیروت ۳/۶۸ و ۷۱
تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ دراج بن سمعان المصری دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۲۴

جنوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ت) ولہذا فقہائے ذکر ذکرلسانی پر ترجیح دی گئی ورنہ ذکر پر تفصیل محال ہوتی و ذکراللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کا ذکر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ت) اس نحو ذکر کے لئے صمت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے، ولہذا فقہاء نے ینبغی ان یطیل الصمت (طویل سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ت) فرمایا، صدراول میں غالباً یہی معمول تھا یہاں تک کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہمارے دہنے ہاتھ پر کون اور بائیں ہاتھ پر کون، ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوتا اور اپنے لئے یہ وقت آنا اور پھر اس وقت کیا ہوگا؟ کیسے گزرے گی؟ اپنے اعمال کی حالت کیا ہے؟ اس دھن میں مستغرق ہوتا گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ جانتا، بلاشبہہ اُس وقت کیا مناسب یہی حالت ہے اور اس حالت کے مناسب وہی صمتِ مطلق کہ سانس کے سوا اصلاً آواز نہ ہو۔ جب زمانہ بدلا اور صدرِ اوّل کا سا خوف عام مسلمانوں میں نہ رہا، صمتِ محض بہتوں کو باعث پریشان خیالی ہوا، اطبائے قلوب نے ذکرلسانی خفی کا اضافہ فرمایا کہ ان اس اد ان یذکر اللہ تعالٰی یذکرہ فی نفسہ (اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے۔ت) **اقول** اس میں حکمت یہ تھی کہ صمت فی نفسہٖ کوئی شے مطلوب نہیں کہ قولِ خیر عدم قولِ مطلق سے قطعاً افضل ہے ولہذا ارشاد ہُوا:

ان لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ[1] ہمیشہ تمہاری زبان خدا کے ذکر سے تر رہے۔(ت)

اگر شرائع نے اُسے صوم میں رکھا تھا۔ ہماری شریعت غرا نے اُسے منسوخ فرمادیا۔ مجوس کے یہاں وقت اکل صمت ہے، ہماری شریعت میں وہ مکروہ والزام الاحتراز ہے یہاں ایک ذریعہ بعد معین مقصود ہو کر مطلوب ہُوا تھا کہ عمل لسان وجہ انقسام توجہ نہ ہو۔ اب کہ دیکھا کہ زمانہ بدلا، اب وہ معین ہونے کے عوض بہتوں کے لئے مخل مقصود ہونے لگا، تحصیل اصل مقصود کے لئے ذکرلسانی بتایا اور خفی رکھا کہ سب تو ایسے پریشان خیال نہیں جسے اہل تفکر کا ذہن نہ ہٹے۔ جب زمانہ اور بدلا اور عامہ ناس غالباً اسی قسم کے رہ گئے اور فقہ میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔

النادر مستثنٰی ولا یفرد بحکم کما فی فتح القدیر ورد المحتار وغیرھما۔[2] نادر مستثنٰی ہے اور اس کا الگ حکم بیان نہیں ہوتا، جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہما میں ہے(ت)

اطبائے روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ اوقع فی النفوس وادفع للوساوس و انفع للناس ہے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۳
مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن بسر المازنی الخ دارالفکر بیروت ۴/۱۸۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقۃ مصطفٰی البابی مصر ۲/۶۳۰
ملتقی شرح ملتقی علٰی ہامش مجمع الانہر کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

ذاکرین کی زبانوں اور سامعین کے کانوں کو مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز رکھ کر ذکر و سماع کی طرف لاتا ہے، اور یہ سمجھ لینا کہ مسلمان ایسے ہوگئے کہ باوجود قرع و قوت قرع و تکرر بھی متاثر نہ ہوں گے، جہل و سُوئے ظن ہے، تو اب ذکر جہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے افراد سے ہے جس سے منع عکس و نقیض مقصود شرع ہے۔ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقۂ ندیہ اور امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی عہود محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ینبغی لعالم الحارۃ او شیخ للفقراء فی الحارۃ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ اٰداب المشی معها من عدم اللغو فیها وذکر من تولی وعزل من الولاۃ او سافر او رجع من التجارۃ و نحو ذلك فان ذکر الدنیا فی ذلك المحل ماله محل، و کان سیدی علی الخواص رضی اللہ تعالٰی عنه یقول اذا علم من الماشین مع الجنازۃ انهم لایترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان یامرهم بقول لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ فان ذٰلك افضل من ترکه، ولاینبغی لفقیه ان ینکر ذٰلك الابنص او اجماع فان مع المسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاؤا یا اللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل هذا وربما عزم عند الحکام الفلوس حتی یبطل قول المومنین (کلمۂ طیبة) فی طریق الجنازۃ، وهو یری الحشیش یباع فلا یکلف خاطره ان یقول للحشاش حرام علیك بل رأیت فقیها منهم یاخذ معلوم امامته من فلوس بائع الحشیش والبرش

عالم محلہ یا فقراء محلہ کے بزرگ کو چاہئے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو اس کے ساتھ چلنے کے آداب سکھائے کہ اس میں لغو باتیں نہ ہوں، کون حاکم ہوا، کون معزول ہوا، کون تاجر سفر سے آیا کون گیا، اس طرح کی باتیں نہ ہوں اس لئے کہ اس جگہ دُنیا کی باتوں کا کوئی موقع نہیں۔ سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے کہ جب جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ جنازہ میں لغو سے باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو انھیں حکم دینا چاہئے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھیں کہ اسے پڑھنا اس کے ترک سے افضل ہے۔ اور کسی فقیہ کو بغیر نص یا اجماع کے اس سے منع نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ مسلمانوں کو شارع کی جانب سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کا اذنِ عام ہے وہ جب چاہیں پڑھیں، الٰہی اس دل کے اندھے پن سے تعجب ہے جو اس طریقے کے عمل سے روکتا ہے، شاید جنازہ کے راستے میں کلمہ طیبہ پڑھنے کو باطل قرار دے کر حکام سے مالِ دنیا کی طمع رکھتا ہے جبکہ وہ راستے

فنسأل اللہ العافیۃ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم[1] میں بھنگ بکتے دیکھے تو بھنگ فروش سے اتنا کہنے کی زحمت نہ اٹھائے کہ یہ کام حرام ہے، بلکہ میں نے ان میں ایسے فقیہ کو بھی دیکھا ہے جو بھنگ فروش کے مال سے اپنی پیش نمازی کی تنخواہ وصول کرتا ہے ـــــ تو خدا ہی سے عافیت کا سوال ہے ـــــ اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ (ت)

کتاب عہود المشائخ امام شعرانی پھر حدیقہ مبارکہ میں ہے:

ولا نمکن احدا من اخواننا ینکر شیئا ابتدعہ المسلمون علی جھۃ القربۃ الی اللہ تعالٰی ورأوہ حسنا کما مر تقریرہ مرارا فی ھذہ العھود لاسیما ماکان متعلقا باللہ تعالٰی ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کقول الناس امام الجنازۃ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ او قراءۃ احد القراٰن امامھا ونحو ذلک فمن حرم ذلک فھو قاصر عن فھم الشریعۃ لانہ ماکل مالم یکن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکون مذموما وقد رجح النووی رحمہ اللہ تعالٰی ان الکلام خلاف اولٰی فقط۔

ہم اپنے دوستوں کو کسی ایسی چیز سے روکنے کی اجازت نہ دیں گے جو مسلمانوں نے خدا کی بارگاہ میں تقرب کے طور پر ایجاد کی ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں، جیسا کہ بارہا اس کی تقریر اسی کتاب عہود میں گزر چکی ہے، خصوصاً وہ چیز جس کا تعلق رب تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہو، جیسے لوگوں کا جنازہ کے سامنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا، یا وہاں پر قرآن کی تلاوت کرنا اور اس طرح کی باتیں، اسے جو حرام کہے وہ شریعت کے فہم سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو عہد رسالت میں نہ رہی ہو بری نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے تو اسے ترجیح دی ہے کہ کلام صرف خلافِ اولٰی ہے۔

واعلم انہ لو فتح ھذا الباب لردت اقوال المجتھدین فی جمیع ما استحبوا من المحاسن ولا قائل بہ وقد فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعلماء امتہ ھذا الباب واباح لھم ان یسنوا کل شیئ

یہ جان لو اگر اس کا دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وہ تمام اقوال مردود ہو جائیں جو انہوں نے اپنے پسند کردہ محاسن کے بارے میں استخراج فرمائے ہیں اور کوئی اس کا قائل کیوں ہوگا جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کھلا رکھا ہے اور انھیں

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف الثالث مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۰۹

استحسنوه ويلحقوه بشريعة رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بقوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من يعمل بها وكلمة لا اله الا الله محمد رسول الله اكبر الحسنات فكيف يمنع منها وتأمل احوال غالب الخلق الأن فى الجنازة تجدهم مشغولين بحكايات الدنيا لم يعتبروا بالميت وقلبهم غافل عن جميع ما وقع له بل رأيت منهم من يضحك واذا تعارض عندنا مثل ذلك وكون ذلك لم يكن فى عهد رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قدمنا ذكر الله عز وجل بل كل حديث لغو اولى من حديث ابناء الدنيا فلو صاح كل من فى الجنازة بلا اله الا الله فلا اعتراض ولم ياتنا فى ذلك شئ عن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فلو كان ذكر الله فى الجنازة منهيا عنه لبلغنا ولو فى حديث كما بلغنا فى قراءة القرآن فى الركوع فافهم وشئ سكت عنه الشارع

اجازت دی ہے کہ ایسے طریقے ایجاد کریں جن کو وہ اچھا جانیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شریعت میں شامل کریں ۔ یہ اجازت اس ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کے لئے اس ایجاد کا ثواب اور آئندہ اس پر تمام عمل کرنے والوں کا ثواب ہے ۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ توسب سے بڑی نیکی ہے پھر اس سے کیونکر روکا جائے گا؟ اس وقت جنازہ میں اکثر لوگوں کے حالات کا جائزہ لو انھیں دنیاوی باتوں میں مشغول پاؤ گے میت کے حال سے کوئی عبرت نہیں ، دل اس سارے واقعہ سے جو اسے درپیش ہے غافل ہے بلکہ ان میں ہنسی کرنے والے بھی نظر آئیں گے جب ایک طرف یہ حال ہو اور دوسری طرف یہ کہ اس وقت کلمہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا تو عمل کیا ہو ، ایسے وقت ہم اللہ عزوجل کے ذکر کو مقدم رکھیں گے ، بلکہ ہر لغو بات جنازے کے اندر دنیا کی باتوں کی بہ نسبت اچھی ہے ، تو اگر جنازہ میں کوئی بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ پڑھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔ ہمیں اس سے ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ ملی ۔ اگر اللہ کا ذکر ممنوع ہوتا تو کوئی نہ کوئی حدیث اس بارے میں آتی ، جیسے رکوع میں تلاوتِ قرآن ممنوع ہے تو حدیث میں وارد بھی ہے ۔ تو اسے سمجھو ۔ وہ چیز جس سے شارع

اوائل الاسلام لا یمنع منہ اواخر الزمان[1] علیہ السلام نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں سکوت فرمایا ہے وُہ آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہوسکتی (ت)

بالجملہ بجائے صمت اقامت جہر بالذکر تحصیل مقصود کے لئے تبدیل ذریعہ بمصلحت حالیہ ہے نہ کہ تفویت مقصود، جاہل وُہ جو خموشی کو مقصود اصل جانے، مطلوب ذکر ہے۔ جب خموشی میں اور اب جہر بالذکر میں، خادمِ فقہ جانتا ہے تحصیلِ مقصود کے لئے بعض مکروہات سے کراہت زائل ہوجاتی ہے، جیسے نماز میں آنکھیں بندکرنا مکروہ ہے اور خشوع یونہی ملتا ہے تو آنکھیں بند کرنا ہی اولیٰ،

کما فی الدرالمختار کرہ تغمیض عینیہ للنھی الا لکمال الخشوع[2] وفی ردالمحتار بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤیۃ مایفرق الخاطر فلایکرہ بل قال بعض العلماء انہ الاولیٰ ولیس ببعید حلیۃ وبحر[3] اھ اقول ولعل التحقیق ان بخشیۃ فوات الخشوع تزول الکراھۃ و بتحققہ یحصل الاستحباب واللہ تعالٰی اعلم۔

جیساکہ درمختار میں ہے: نماز میں آنکھیں بندکرنا مکروہ ہے کیونکہ اس ممانعت آئی ہے لیکن اگر کمالِ خشوع کیلئے ہو تو مکروہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: اس طرح کہ طبیعت کو منتشر کرنے والی چیزیں دیکھنے کے سبب خشوع فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ اولیٰ ہے، اور یہ کوئی بعید نہیں ــ حلیہ و بحر ــ اھ ــ اقول شاید تحقیق یہ ہے کہ خشوع فوت ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے کراہت زائل ہوجاتی ہے اور آنکھ بند کرلینے پر خشوع متحقق ہوجانے سے استحباب حاصل ہوجاتا ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

تو یہاں یہ کہ ذکر اعظم مطلوبات سے تھا اور منع ایک وجہ بعید کے لئے کہ ذریعہ مقصود میں مخل نہ ہو، اور اب وہ ذریعہ ہی نہ رہا، بلکہ منعکس ہوگیا۔ تو وُہ منع اگرچہ تنزیہی باقی رہنا کس قدر فقاہت سے دور، بلکہ عقل سے مہجور ہے۔ پھر ذکر کہ عرض عریض ہے۔ ذکرِ موت و ذکرِ قبر و ذکرِ آخرت و ذکرِ انبیاء۔ و ذکرِ اولیا علیہم افضل الصلوۃ والثناء سب ذکرِ الٰہی ہیں، ہم نے اپنی تعلیقات کتاب مستطاب اذاقۃ الاثام میں اس پر بارہ[12] دلائل قائم کئے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضور سیدنا حسان ابن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف الثالث الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۰۹
[2] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[3] ردالمحتار " " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۴۳۴

مشرکین کے اشعار کا اشعار میں جواب دینا اور اُن شعروں کو پڑھنا اور حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سننا ثابت ہے اگرچہ یہ اشعار ذکرِ الٰہی نہ ہوتے، مسجد میں ان کے لئے منبر بچھانے کی اجازت کیونکر!

فانما بنیت المساجد لذکر اللہ و الصلٰوۃ۔[1]

کہ مسجدیں خدا کے ذکر اور نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ (ت)

اور جب یہ ذکر نہ ہوتا تو اس کے لئے اہتمام فرمانا معاذ اللہ غفلت کے لئے اہتمام ہوتا۔ اور یہ محال ہے لاجرم اشعارِ حمد و نعت و ثناء و دُعاء و وعظ و پند ذکرِ الٰہی ہیں، اور غنا وہ کہ ان سے جُدا ہو کہ غنا کو آیۂ کریمہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث[2] (لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو لہو کی بات خریدتا ہے۔ ت) میں داخل کرتے ہیں اور بداہۃً معلوم کہ حمد و نعت و دعا و وعظ ہرگز لہو الحدیث نہیں، ولہذا جوہرہ و درمنتقی و ردالمحتار میں ہے:

ما نقل انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سمع الشعر لم یدل علی اباحۃ الغناء و یجوز حملہ علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمۃ والوعظ۔[3]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شعر سُننا جو منقول ہے اس سے غنا کی اباحت ثابت نہیں ہوتی اسے ایسے شعر پر محمول کیا جاسکتا ہے جو جائز اور حکمت و نصیحت پر مشتمل ہو۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ قول علامہ شامی: فما ظنک بالنغمات الحادثۃ فی ھذا الزمان[4] (اس زمانے میں پیدا شدہ نغمہ زنی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ت) خود بشہادت علامہ شامی اُن اشعار کے بارے میں ہے، جو حکمت و وعظ پر مشتمل نہ ہوں جیسے میت کا مرثیہ یا اُس کی تعریف، مدح بافراط یا اشعار مہیجہ مکروہ، حُزن مزیلِ صبر و داعی نوحہ گری و گریبان دری کہ یہ بلاشبہہ حکمت و وعظ سے خالی، بلکہ اُس کے خلاف اور اپنے احوال پر حرام مکروہ و گزاف ہیں بخلاف اُن اشعار فارسی و عربی مذکورہ سوال کا کہ ذکرِ الٰہی سے جُدا نہیں، البتہ اشعار اردو میں حاجت ترمیم و تبدیل ہے، شعرِ اوّل میں نام پاک لے کر ندا ہے اور صحیح یہ کہ جائز نہیں

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب المساجد مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۹۷

[2] القرآن ۳۱/۶

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/۲۲۲

[4] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز " " " ۱/۵۹۸

بلکہ اوصافِ کریمہ کے ساتھ ہو، مثلاً یارسول اللہ، یاحبیب اللہ۔ دوسرا شعر مہمل و بے معنی، اور حیثیتِ شعری سے بھی مختل ہے اور بعض جُہّال سنّوریا سے ذاتِ اقدس مراد رکھتے ہیں، اس وقت وہ قریب بہ کلمۂ کفر ہوجائے گا۔ تیسرا شعر بھی کچھ مفید نہیں، ہاں چوتھے اور پانچویں میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۲۵** ازقادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے ہمراہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ و وظیفہ غوثیہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا للہ پڑھتے چلنا درست ہے یا نہیں؟

## الجواب

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں حرج نہیں کما حققہ السیّد عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی فی الحدیقۃ الندیۃ (جیسا کہ سید عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۲۶** بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ غزلیں نعتیہ پڑھتے جاتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

## الجواب

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔



**مسئلہ ۲۷** از موضع شرشدی جونیر مدرسہ ڈاکخانہ رفیستی ضلع نواکھالی مرسلہ مولوی عبدالکریم ۲۶ جمادی الاُخری ۱۳۳۸ھ

ماقول علمائنا رحمھم اللہ (ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں۔ ت) ایک حنفی عالم کہتا ہے کہ بے نمازی کافر و مرتد ہے اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا چاہیے۔ اس عالم کا قول مردود ہے یا نہیں؟ تین شخصوں کو بے نمازِ جنازہ دفن کرادیا ہے اس پر شرعاً کیا وعید عائد ہوسکتی ہے؟ دُنیا میں ایسا مسلمان نہیں جو گاہ بگاہ پنجگانہ وعیدنہ پڑھتا ہو۔

## الجواب

ایمان و تصحیح عقائد کے بعد جملہ حقوق اللہ میں سب سے اہم و اعظم نماز ہے۔ جمعہ و عیدین یا بلا پابندی پنجگانہ پڑھنا ہرگز نجات کا ذمہ دار نہیں۔ جس نے قصداً ایک وقت کی چھوڑی ہزاروں برس جہنم میں رہنے کا مستحق ہوا، جب تک توبہ نہ کرے اور اس کی قضا نہ کرلے، مسلمان اگر اُس کی زندگی میں اُسے یکلخت

چھوڑدیں اُس سے بات نہ کریں، اُس کے پاس نہ بیٹھیں، توضرور وہ اس کا سزاوار ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

واما ینسینّك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین[1] — اگر شیطان تجھے بھُلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ (ت)

مگر بعد موت ہر سُنّی صحیح العقیدہ کو غسل و کفن دینا، اس کے جنازے کی نماز پڑھنا الّا ما استثنٰی ولیس ھذا منہم (اگر وہ جن کا استثناء کیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں۔ ت) فرض قطعی علی الکفایہ ہے۔ اگر سب چھوڑدیں جن جن کو اطلاع تھی سب گنہگار و تارکِ فرض و مستحق عذاب ہوں گے۔ جس نے تین مسلمانوں کو بے نماز دفن کرادیا فاسق، مرتکب کبیرہ، مستوجب سزائے شدید ہوا، بے نماز کہ نماز کو فرض جانتا ہو اس کی تحقیر نہ کرتا ہو اگرچہ نفس و شیطان کے پھندے میں آکر نہ پڑھتا ہو مرتکب کبائر ہے، مستحق عذاب نار ہے، مگر کافر نہیں، باغی نہیں، ڈاکو نہیں، ایک تباہ کار مسلمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علٰی کل مسلم یموت براکان او فاجرا وان ھو عمل الکبائر[2] — تم پر ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوا چار کے، باغی، رہزن جب کہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، تھرمیں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدواوین ثلٰثۃ فدیوان لا یغفر اللہ منہ شیئا، ودیوان لا یعبأ اللہ منہ شیئا، ودیوان لا یترك اللہ منہ شیئا، فامّا الدیوان الذی لا یغفر اللہ منہ شیئا، فالاشراك باللہ، واما الدیوان الذی لا یعبأ اللہ منہ شیئا فظلم العبد — دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰی کچھ معاف نہ فرمائے گا، اور دُوسرے کی اللہ کو کچھ پروا نہیں، اور تیسرے میں سے اللہ کچھ نہ چھوڑیگا۔ وُہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ معاف نہ فرمائیگا دفتر کفر ہے۔ اور وہ جس کی اللہ کو کچھ پروا نہیں وہ بندے کا اپنے رب کے معاملے میں اپنی جان پر

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/

نفسه فیما بینه وبین ربه من صوم یوم ترك او صلاة ترکها فان الله تعالٰی یغفر ذلك ان شاء و یتجاوز واما الدیوان الذی لایترك الله منه شیئا فمظالم العباد بینهم القصاص لامحالة[1] رواہ الامام احمد والحاکم فی المستدرك عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

ظلم کرنا کہ کسی دن کا روزہ چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی اللہ تعالٰی چاہے گا تو معاف کر دے گا اور درگزر فرمائیگا۔ اور وُہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰے کچھ نہ چھوڑے گا وُہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر ظلم ہیں ان کا بدلہ ضرور رہونا۔ اسے امام احمد نے اور مستدرک میں حاکم نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس صلوات کتبھن الله علی العباد، فمن جاء بھن فلم یضع منھن شیئا استخفافا بحقھن کان له عند الله عھد ان یدخل فی الجنة، ومن لم یات بھن فلیس له عند الله عھد، ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة[2]۔ رواہ الائمة مالك واحمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم والبیھقی بسند صحیح عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے بندوں پر فرض کی ہیں جو انھیں بجالائے اور اُن کے حق کو ہلکا جان کر اُن میں سے کچھ ضائع نہ کرے اللہ کے پاس عہد ہو کہ اُسے جنت میں داخل فرمائے اور جو انھیں بجانہ لائے اُس کے لئے اللہ کے پاس عہد نہیں چاہے اسے عذاب کرے چاہے اسے جنت میں داخل کرے۔ اسے امام مالک، امام احمد، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے بسندِ صحیح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دُرمختار میں ہے:

ھی فرض علٰی کل مسلم مات خلا اربعة

ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوائے چار کے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۲۴۰
المستدرک علی الصحیحین کتاب الاھوال " " " ۴/۵۷۵
[2] سنن ابوداوٗد باب فیمن لم یوتر " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۰۱
مسند احمد بن حنبل مروی از عبادۃ بن الصامت " دارالفکر بیروت ۵/۳۱۵

11 بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب وکذا مکابر فی مصر لیلا بسلاح وخناق وقاتل احد ابویہ الحقہ فی النھر بالبغاۃ (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔

باغی، رہزن جبکہ یہ لڑائی میں مارے گئے ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرنے والا، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

**مسئلہ ۲۸** از بنگلہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی اکرم صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ چاہیے یا نہیں۔ اگر چاہیے تو کیا دلیل، جواب بالتفصیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیے، بینوا توجروا۔

## الجواب

صحیح یہ ہے کہ ترکِ نماز سخت کبیرہ اشد کفرانِ نعمت ہے، مگر کفر وارتداد نہیں، جبکہ انکارِ فرضیت یا استخفاف واہانت نہ کرے، اور نماز ہر مسلمان کے جنازے کی فرض کفایہ ہے، اگر سب چھوڑیں گے سب گنہگار رہیں گے، نمازِ پنجگانہ اُس پر فرض تھی اُس نے چھوڑی، نمازِ جنازہ ہم پر فرض ہے ہم کیوں چھوڑیں، اُس نے وُہ فرض چھوڑا جو خالص حق اللہ کریم غنی عزوجل کا تھا ہم وہ فرض چھوڑ دیں جس میں اللہ عزوجل کا بھی حق اور اس محتاج باشد الاحتیاج کا بھی حق العبد، یہ محض نادانی اور خود اپنی بھی بدخواہی ہے، علمائے کرام نے فرضیتِ نمازِ جنازہ سے صرف چند شخصوں کو استثنا فرمایا۔ باغی اور آپس کے بلوائی کہ فریقین بطور جاہلیت لڑیں اور اُن کے تماشائی اور ڈاکو، اور وُہ کہ لوگوں کو گلا دبا کر، پھانسی دے کر مار ڈالا کرتا ہو، اور وُہ جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ بے نمازی ان سے خارج ہے تو اس کی نمازِ جنازہ مثل عام مسلمانوں کے فرض ہے۔

فی الدرالمختار ھی فرض علٰی مسلم مات خلا بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب واھل عصبۃ ومکابر فی مصر لیلا وخناق وقاتل احد ابویہ اھ[1] ملخصا وفی ردالمحتار فی شرح

درمختار میں ہے، ہر مرنے والے مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوا باغی، رہزن کے جب یہ لڑائی میں مارے جائیں، اور جو براہِ عصبیت آپس میں لڑیں، رات کو ہتھیار لے کر شہر میں لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مار ڈالنے والا، اپنے والدین میں سے کسی کا

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

[2] " " " " "

دررالبحار فی النوازل جعل مشائخنا المقتولین فی العصبیة فی حکم اھل البغی وکذا الواقفون الناظرون الیھما ان اصابھم حجراوغیرہ وماتوا فی تلك الحالة ولوماتوا بعد تفرقھم یصلی علیھم[1] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔

قاتل اھ بتلخیص۔ ردالمحتار میں ہے : شرح دررالبحار میں نوازل کے حوالے سے ہے کہ ہمارے مشائخ نے عصبیت میں مارے جانے والوں کو باغیوں کے حکم میں رکھا ہے ایسے ہی ان کے پاس کھڑے تماشا دیکھنے والے ، اگرانھیں کوئی پتھر وغیرہ لگا اوراسی حالت میں مرگئے ، ہاں اگر جُدا ہونے کے بعد مرے توان کی نماز پڑھی جائے گی اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

**مسئلہ ۲۹** ازآرہ ، مدرسہ فیض الغرباء مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب قادری برکاتی رضوی ۲۷ جمادی الاُخرٰی ۱۳۳۴ھ

زید تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتا ہے کسی ایک کے انکار کو کفر جانتا ہے محض سُستی وغفلت سے بے نماز ہے۔ پس ایسے بے نمازوں کے جنازے کی نماز ناجائز ہے یا نہیں ؟ کوئی نہ پڑھے نہ پڑھائے ؟

## الجواب

لا الٰہ الا اللہ مسلمان اگرچہ بے نماز ہو اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا جتنوں کو خبر ہو سب گنہ گار و تارکِ فرض رہیں گے۔ ہاں اگر زجر کے لئے علماء خود نہ پڑھیں دوسروں سے پڑھوادیں تو بیجا نہیں ، اور اگر اُن کے نہ پڑھنے سے اور بھی کوئی نہ پڑھے یا اُن کو بھی منع کریں تو یہ علماء بھی مستحقِ عذابِ نار ہوں گے بلکہ جہال سے زیادہ فانما علیك اثم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الصّلٰوۃ واجبة علیکم علٰی کل مسلم یموت برّاکان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر[2] رواہ ابوداؤد وابویعلی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح علٰی اصولنا۔

تم پر ہر مسلمان کے جنازے کی نماز فرض ہے نیک ہو یا بد اگرچہ اُس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد اور ابویعلٰی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہمارے اصول پر بسندِ صحیح روایت کیا۔

درمختار میں ہے :

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ علی الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۲

[2] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد 〃 ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۰

ھی فرض علیٰ کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ و قطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب و کذا مکابر فی مصر لیلا بسلاح و خناق وقاتل احد ابویہ الحقہ فی النھر بالبغاۃ ملخصًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوا چار کے، باغی، رہزن جبکہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے۔ ملخصًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

**مسئلہ ۳۰** از موضع بکہ جیلی والا علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں، مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کبھی نماز پڑھے اور کبھی نہ پڑھے اُس کا جنازہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بے نمازی کے لڑکے نابالغ کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب

بے نمازی اگرچہ فاسق ہے مگر مسلمان ہے، اور اُس کی نابالغ اولاد کا غسل و کفن اور نماز و دفن یہی حکم ہے جو اور مسلمانوں کا حدیث میں ارشاد ہوا: صلّوا علیٰ کل بر و فاجر[2] (ہر نیک و بد کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ ۳۱** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طالب علم موضع فرید پور میں مولوی یٰسین کا شاگرد وہاں کی مسجد میں مقیم ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور قبر پر اذان دینا بھی جائز نہیں ہے، اور فاتحہ وغیرہ اور گیارھویں شریف کی نیاز کرنا جائز نہیں ہے، اور یہاں پر سب گاؤں کے مسلمانوں کو گمراہ کئے دیتا ہے لہٰذا یہ باتیں تحریر کر دیں کہ جائز ہیں یا نہیں، بموجب شرع شریف کے جواب سے مشرف فرمائیے گا۔ بینوا توجروا۔

## الجواب

اس شخص کے یہ مسئلے محض غلط اور بے سند ہیں۔ جنازے کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے الا ما استثناہ العلماء ولیس ھذا منھم (مگر وہ جس کا علماء نے استثناء کیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں۔ ت)

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

[2] سنن الدار قطنی باب صفۃ من تجوز الصلوٰۃ معہ والصلوٰۃ علیہ نشر السنۃ ملتان ۲/۵۷

سنن ابی داؤد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳

قبر پر اذان دینا جائز ہے کما ھو مبین فی ایذان الاجر فی اذان القبر (جیسا کہ ہمارے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اس کا واضح بیان ہے۔ ت) اور فاتحہ اور گیارھویں شریف کی نیاز و ایصالِ ثواب اہلسنّت کے نزدیک جائز و بہتر ہے کما فی الھدایۃ وفتح القدیر والدر المختار و رد المحتار وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار اور رد المحتار وغیرہا میں ہے۔ ت) ان چیزوں کو جو شخص ناجائز کہے اُس سے ایک ہی بات دریافت کرنا کافی ہے وُہ یہ کہ تو جو ناجائز کہتا ہے آیا اللہ و رسول نے انھیں ناجائز کہا ہے یا تو اپنی طرف سے کہتا ہے؟ اگر اللہ و رسول نے ناجائز کہا ہے تو دکھا کون سی آیت یا حدیث میں ہے کہ اذان جو مسلمان کی قبر پر دفعِ شیطان و دفعِ وحشت وحصولِ اطمینان و نزولِ برکت کے لئے کہی جائے وُہ ناجائز ہے اور فاتحہ اور گیارھویں شریف کہ بغرضِ ایصالِ ثواب کی جائے ناجائز ہے۔ اور اگر اللہ و رسول نے ناجائز نہ کہا تو خود اپنی طرف سے کہتا ہے تو تیرا قول تیرے منہ پر مردود ہے۔ بغیر خدا اور رسول کے منع فرمائے ہوئے کوئی چیز ناجائز نہیں ہوسکتی۔ ہمیں قرآن و حدیث نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ و رسول جس بات کا حکم دیں وُہ واجب ہے جس سے منع فرمائیں وُہ ناجائز ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمائیں وُہ معافی میں ہے وُہ اگر واجب نہیں تو ناجائز بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۳۲:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا بکر نے کہا زید نماز نہیں پڑھتا تھا اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے مگر اس شرط پر کہ اُس کو پٹوانا چاہیے، پھر زید کو بیلوں سے پاؤں باندھ کر کھنچوایا۔ یہ بات قرآن و حدیث سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو بکر پر کیا حکم ہے؟ فرمائیے کتاب اور حدیثِ رسول سے۔

## الجواب

بکر گنہگار ہوا اور اُس نے مُردے پر ظلم کیا۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اُسے تکلیف ہوگی، اور فرمایا:

علام تنصون میتکم۔ رواہ الامام محمد فی کتاب الآثار قال اخبرنا ابو حنیفۃ ورواہ عبد الرزاق فی مصنفہ قال اخبرنا سفیٰن عن الثوری کلاھما عن حماد بن ابی سلیمٰن عن ابراھیم النخعی

کاہے پر اپنے مُردے کے مُوئے پیشانی کھینچتے ہو۔ اسے امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ــــ فرمایا ہمیں خبر دی ابوحنیفہ نے، اور اسے عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا۔ کہا ہمیں خبر دی سفیان نے، وُہ راوی ہیں سفیان ثوری سے ــــ دونوں حضرات

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہا رأت امرأۃ یکدون رأسہا بمشط[ف۱] فقالت علام تنصون میتکم[۱] ورواہ ابو عبید القاسم بن سلام، وابراھیم الحربی فی کتابیہما فی غریب الحدیث عن ابراھیم عن عائشۃ انہا سئلت عن المیت یسرح رأسہ فقالت علام تنصون میتکم۔[۲]

راوی ہیں حماد بن ابی سلیمان سے ـــ وہ ابراہیم نخعی سے ـــ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے انھوں نے دیکھا کہ ایک عورت کے سر میں کنگھا کر رہے ہیں تو فرمایا: کیوں اپنے مُردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو ـــ اور اسے ابو عبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے اپنی اپنی کتاب غریب الحدیث میں حضرت ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت صدیقہ سے روایت کی ان سے میت کے سر میں کنگھا کرنے سے متعلق پوچھا تو فرمایا: کیوں اپنے مردے کے موئے پیشانی کھینچتے ہو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کسر عظم المسلم میتا ککسرہ حیا[۳] رواہ الائمۃ مالک واحمد وسعید بن منصور وعبد الرزاق وابو داؤد وابن ماجۃ بسند حسن عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

بیشک مُردہ مسلمان کی ہڈی توڑنی ایسی ہی ہے جیسے زندہ مسلمان کی ہڈی توڑنی۔ اسے امام مالک، امام احمد، سعید بن منصور، عبد الرزاق، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بسندِ حسن ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

سزا دینا اول تو حاکمِ شرع کا کام ہے ہر کس و ناکس کو اُس کا اختیار نہیں اور موت کے بعد تو سزا دینے کے کوئی معنی ہی نہیں، سزا درکنار موت کے بعد بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الٰی ما قدموا[۴]۔ رواہ احمد والبخاری والنسائی

مُردوں کو بُرا مت کہو وہ اپنے کئے کو پہنچ چکے۔ اسے امام احمد اور نسائی نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ

[۱] المصنف لعبد الرزاق باب شعر المیت واظفارہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۳۷
کتاب الآثار باب الجنائز وغسل المیت مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۶

[۲] غریب الحدیث

[۳] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۲

[۴] سنن النسائی " المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/۲۲۲

ف۱: کتاب الآثار اور مصنف عبد الرزاق دونوں کتابوں میں "بمشط" کا لفظ نہیں ہے بلکہ کتاب الآثار میں "رأت میتا یسرح رأسہ" اور مصنف میں "رأت امرأۃ یکدون رأسہا" ہے۔ نذیر احمد

عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتذکروا ھلکاکم الا بخیران یکونوا من اھل الجنۃ تاثمون وان یکونوا من اھل النار فحسبھم ماھم فیہ[1] رواہ النسائی عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند جید۔

اپنے مُردوں کو یاد نہ کرو مگر بھلائی کے ساتھ کہ اگر وُہ جنتی ہیں تو بُرا کہنے میں تم گنہگار رہوگے اور اگر دوزخی ہیں تو انھیں وُہ عذاب ہی بہت ہے جس میں وُہ ہیں۔ اسے نسائی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند جید روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فتؤذوا بہ الاحیاء[2] رواہ احمد والترمذی عن المغیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔

مُردوں کو بُرا نہ کہو کہ اس کے باعث زندوں کو ایذا دو۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذامات صاحبکم فدعوہ ولا تقعوا فیہ[3] رواہ ابوداؤد عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔

جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اسے معاف رکھو اور اس پر طعن نہ کرو۔ اسے ابوداؤد نے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔

عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذ صاحب ھذا القبر[4] رواہ الامام احمد۔

مُردے کو ایذا نہ دے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا۔

سبحان اللہ! جب قبر پر تکیہ لگانے سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے تو ایسے ظلم شدید سے کس قدر

---

[1] سنن النسائی — کتاب الجنائز — مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور — ۱/ ۲۲۲
[2] مسند احمد بن حنبل — حدیث مغیرہ بن شعبہ — دارالفکر بیروت — ۴/ ۲۵۲
[3] سنن ابو داود — باب فی النہی عن سب الموتٰی — آفتاب عالم پریس لاہور — ۲/ ۳۱۵
[4] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد — باب دفن المیت — مطبع مجتبائی دہلی — ص ۱۴۹

ایذائے عظیم ہوگی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ ۲۳** سید محمد شاہ (پتا انگریزی میں تھا پڑھا نہ گیا) ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے نومسلم عورت سے عقد کیا تھا، دو برس کے بعد ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ کو دنیائے فانی سے ملک عدم کو رخصت ہوئی۔ اُس مسلمان کا یہاں کوئی وارث تھا اُس نے مسلمانوں کو اطلاع دی، اُنھوں نے جواب دیا ہم تمھاری عورت کا جنازہ نہیں اُٹھائیں گے نہ قبرستان میں جگہ دیں گے کیونکہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو اور مسجد کمیٹی و خلافت کمیٹی وغیرہ میں چندہ بھی نہیں دیتے کبھی ہماری کمیٹیوں میں شریک نہیں کرتے، لہذا تم اور کوئی انتظام کرو۔ اس شخص نے جواب دیا اگر میرا عذر قابلِ اعتماد ہو تو مجھ کو معافی دیجئے جو سزا میرے لئے آپ لوگ قرار دیں میں قبول کرتا ہوں۔ اگر میرا قصور ہے تو مجھ کو سزا دیں اور معافی دے کر میت کو اٹھائیں۔ ان لوگوں نے مطلق انکار کر دیا جو خلافت کمیٹی کے ممبران و سیکریٹری و پریذیڈنٹ ہیں۔ تب اُس نے ہندو سے التجا کی، اس کی بیکسی بے بسی دیکھ کر ہندو اس محلہ میں آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا، بمشکل تمام راضی ہوئے مگر غسل دینے والی عورت کو روک دیا۔ مجبوراً اس نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنایا۔ بعد اس کے چار پانچ مسلمان، انھوں نے کہا ہم تم پر آٹھ روپیہ جرمانہ کرتے ہیں، اگر منظور ہو تو ہم میت اٹھائیں ورنہ ہم اپنے اپنے گھر جاتے ہیں۔ وہ چونکہ مصیبت زدہ تھا راضی ہوا۔ غرض صبح آٹھ بجے کی میت بارہ۱۲ بجے شب کو اُٹھائی گئی۔ اب عرض ہے کہ آیا حدیث شریف میں یہی فرمان ہے اور خدا اور اس کے رسول کا یہی حکم ہے تو مجھے مطلع فرمائیں اور اگر حرکت مطابقِ شرع نہ ہو تو ان کی کیا سزا ہے شرعاً و قانوناً؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

اُن لوگوں نے سخت ظلم کیا اور شدید جرم کیا، اگر سلطنتِ اسلام ہوتی حاکمِ اسلام اُن میں ایک ایک کو کوڑے لگاتا، قید کرتا، اور وہ آخرت میں عذابِ جہنم کے مستحق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان او فاجرا وان عمل الکبائر[1] (ملخصاً) ہر مسلمان کے جنازے کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے گناہِ کبیرہ کیے ہوں۔

خصوصاً جس مسلمان نے رمضان مبارک میں انتقال کیا تو وہ بحکمِ حدیث شہید ہے۔ خلافت کمیٹی میں چندہ نہ دینا یا اُس میں شریک نہ ہونا کوئی جرم نہیں، بلکہ مسجد میں چندہ نہ دینا بھی گناہ نہیں، نہ کہ جہاں امر بالعکس ہو، نماز

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳
مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد باب الامامۃ " مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۰

نہ پڑھنا ضرور کبیرہ شدیدہ ہے مگر اُس کا گناہ اُس کی بی بی کے سر باندھنا کون سی شریعت ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

ولا تزر وازرۃ وزر اُخرٰی[1] (کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔ ت)

آٹھ روپے کہ اُنھوں نے لئے سخت حرام اور اُن کے حق میں مثل سُوّر کے ہیں، اُن پر فرض ہے کہ اُسے واپس کردیں۔

قال اللہ تعالٰی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2]۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدیہ[3]۔ رواہ احمد والاربعۃ والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہاتھ نے جو لیا اس کے ذمہ ہے یہاں تک کہ اسے ادا کردے۔ اسے امام احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت کیا۔ (ت)

اور اُس شخص نے عورت کو غسل دیا یہ اُسے جائز نہ تھا، شوہر عورت کے بدن کو بعد انتقال ہاتھ نہیں لگا سکتا، اُسے چاہئے تھا کہ کسی سمجھ والی لڑکی یا لڑکے کو نہلانے کا طریقہ بتاتا جاتا اور اپنے سامنے اُس سے نہلواتا، یا کوئی اور عورت اگرچہ اُجرت پر ملتی اس سے غسل دلاتا۔ اور اگر کچھ ممکن نہ ہوتا تو اپنے ہاتھوں پر کپڑے کی تھیلیاں چڑھا کر اُس کے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کا تیمم کرادیتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۳۴:** از ضلع اعظم گڑھ ڈاک خانہ اندارا موضع ادری حافظ عبدالشکور خاں ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید مسلمان حنفی، بکر نصرانی کے یہاں ملازم تھا اور اس کا جُھوٹا کھا لیا کرتا تھا، مسلمانوں نے اُس سے منع کیا، حتی کہ بکر نے بھی، مگر زید باز نہ آیا اور اس کے مرنے پر جمیع مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ سے انکار کیا، بالآخر چند مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا، اگر ایسا موقع آئندہ آئے تو کیا کرنا چاہئے؟ بیّنوا توجروا۔ زید کے گھر والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ زید کے

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴ و ۱۷/۱۵ و ۳۵/۱۸ و ۳۹/۷

[2] القرآن ۲/۸۸

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۸

یہاں کا کھانا وغیرہ بند کردیا گیا ہے۔

## الجواب

مسلمان کو نصرانی کا جھوٹا کھانا بہت شنیع و بد ہے کما بیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) لیکن اگر مذہب میں کچھ فرق نہ تھا تو اس بدحرکت سے کافر نہ ہُوا۔ مسلمانوں پر اس کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز لازم تھی، مگر یہ کام فرض کفایہ ہے بعض نے کرلیا سب پر سے اُتر گیا۔ ہر مسلمان کا اُن میں شریک ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی نہ کرتا تو سب گنہگار ہوتے۔ آئندہ کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔ اس فعل میں اس کے گھر والوں کا کوئی قصور نہ تھا اُن پر تعزیر بیجا ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تزر وازرۃ وِزر اُخرٰی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۳۵** از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہلِ اسلام سے آخر عمر تک تارک الصلوٰۃ والصیام و مشارب الخمر باللیل والایام ملحق دینِ نصارٰی رہا حتی کہ بہ تحقیق بدون توبہ ڈاک بنگلہ پر منتقل ہُوا، پھر ورثا اس کے مکان پر لائے، معاذ اللہ اور بخوفِ عدمِ شرکتِ دفن اہلِ اسلام کے ایک حجام اور خرادی اور کنجڑا پرورش یافتہ خود کو مصنوعی شاہد مقرر کرکے توبہ پر اس میت کی قائم کئے۔ عیاذاً باللہ۔ تب جنازہ اُٹھا اور ہمراہ جنازہ کے عیسائی بھی تھے تب بھی چند کس نے دیدہ و دانستہ نمازِ جنازہ پڑھی اور استعاطلے کر قبر پر قرآن پڑھا۔ بعد دخولِ قبر عیسائیوں نے ٹوپی اتار کر سلامی لی، پس مسلمانوں کو بحکم شرع میت کے اسلام پر خدشہ صادقہ تھا اور یقین کامل ہُوا، اور بحمیتِ اسلامی اُن سے رُوکش ہُوئے کہ اوروں کو عبرت ہو، کیونکہ بعملداری ہنود تعزیر غیر ممکن، اس خیال سے اُن لوگوں سے مرتدین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں جب تک توبہ نہ کریں اور اُن کے پیچھے نمازِ جماعت درست ہے یا ممنوع، اس کے حق میں اور اُن کے مشترک کے حق میں شرعاً کیا حکم ہے؟ مشرح بعبارت کتب بیان فرمائیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

## الجواب

ترکِ صوم و صلوٰۃ و شربِ خمر گناہانِ کبیرہ ہیں جن کا مرتکب فاسق و فاجر اور عذابِ دوزخ کا مستحق ہے مگر حرام جان کر بشامتِ نفس کرے تو کافر نہیں۔ پس اگر شخص مذکور نے مذہب نہ بدلا تھا صرف باغوائے شیطان

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴ و ۱۷/۱۵ و ۳۵/۱۸ و ۳۹/۷

دنیا پرستان خدا ناترس کی طرح ان امور کا مرتکب ہوتا اور عیسائیوں سے میل جول رکھتا تھا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، بلکہ جب وُہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مسلمان ہی ٹھہرائیں گے اور اس تقدیر پر اس کے تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز بیشک ضروری و لازم تھی، اگر بجا نہ لاتے گنہگار رہتے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر[1] (ملخصًا) رواہ ابوداؤد وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: ہر مسلمان کی نماز جنازہ تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد اگرچہ اس نے گناہ کبیرہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

اور نصرانیوں کا معاذ اللہ جنازہ کے ساتھ ہونا یا بعد دفن ٹوپی اتار کر سلامی دینا اُن کا اپنا فعل تھا جس کے سبب مسلمان کو کافر نہیں ٹھہرا سکتے۔ اور یہ بدگمانی کہ اگر یہ اُن کا ہم مذہب نہ ہوتا تو وُہ جنازہ میں کیوں شرکت کرتے، محض مردود ہے۔ ایسے اوہام پر بنائے احکام نہیں، نہ کہ معاذ اللہ معاملہ کفر و اسلام جس میں انتہا درجہ کی احتیاط لازم، بلکہ اس کا عکس دُوسرا گمان قوی تر ہے کہ اگر وُہ اسے اپنا ہم مذہب جانتے، اپنی روش پر تجہیز و تکفین کرتے۔ مسلمانوں کو اس کا جنازہ کیوں دیتے، غرض اس صورت میں نماز پڑھنے والوں نے فرض خدا ادا کیا اُن پر اصلًا الزام نہیں۔ الزام اُن پر ہے جو اس بنا پر اُن سے معاملہ مرتدین کرنا چاہیں اور اگر بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو کہ میّت عیاذاً باللہ تبدیل مذہب کرکے عیسائی ہوچکا تھا تو بیشک اُس کے جنازہ کی نماز اور مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین سب حرام قطعی تھی۔



قال اللہ تعالٰی ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدا ولا تقم علٰی قبرہ[2]

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ان میں سے جو بھی مرے نہ کبھی ان کی نماز جنازہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ (ت)

مگر نماز پڑھنے والے اگر اس کی نصرانیت پر مطلع نہ تھے اور بربنائے علم سابق اسے مسلمان سمجھتے تھے نہ اس تجہیز و تکفین و نماز تک اُن کے نزدیک اس شخص کا نصرانی ہوجانا ثابت ہُوا، تو ان افعال میں وہ اب بھی معذور و بے قصور ہیں کہ جب اُن کی دانست میں وہ مسلمان تھا اُن پر یہ افعال بجالاتے بزعم خود شرعًا لازم تھے، ہاں اگر یہ بھی اس کی عیسائیت سے خبردار تھے پھر نماز و تجہیز و تکفین کے مرتکب ہُوئے قطعًا سخت گنہگار اور وبال کبیرہ میں گرفتار ہُوئے، جب تک توبہ نہ کریں نماز اُن کے پیچھے مکروہ،

[1] سنن ابی داؤد — باب الغزو مع ائمۃ الجور — مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور — ۱/۳۴۳
سنن الدارقطنی — باب صفۃ الصلٰوۃ معہ والصلٰوۃ علیہ — نشر السنۃ ملتان — ۲/۵۶
[2] القرآن ۹/۸۴

كماحكم هو الفاسق المصرح به في غير ما كتاب المحرر المنقح في الغنية وغيرها۔

جیسا کہ یہ فاسق کا حکم ہے جس کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے اور جس کی توضیح و تنقیح غنیہ وغیرہا میں ہوچکی ہے۔ (ت)

مگر معاملہ مرتدین پھر بھی برتنا جائز نہیں کہ یہ لوگ بھی اس گناہ سے کافر نہ ہوں گے۔ ہماری شرع مطہر صراطِ مستقیم ہے، افراط و تفریط کسی بات میں پسند نہیں فرماتی، البتہ اگر ثابت ہوجائے کہ اُنھوں نے اُسے نصرانی جان کر نہ صرف بوجہ حماقت و جہالت کسی غرضِ دُنیوی کی نیت سے بلکہ خود اسے بوجہ نصرانیت مستحقِ تعظیم و قابلِ تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ تصور کیا تو بیشک جس جس کا ایسا خیال ہوگا وہ سب بھی کافر و مرتد ہیں اور اُن سے وہی معاملہ برتنا واجب جو مرتدین سے برتا جائے اور ان کی شرکت کسی طرح روا نہیں، اور شریک و معاون سب گنہ گار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۳۶** از تکیم پور کھیری مکان حافظ محمد حسین سوداگر، مرسلہ حکیم محمد تفضل حسین صاحب ماہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہلِ شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا اہلسنت وجماعت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی قومِ سنّت وجماعت نے نمازِ کسی شیعہ کی جنازہ کی پڑھی تو اُن لوگوں کے لئے شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا



## الجواب

اگر رافضی ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً قرآن عظیم میں کچھ سُورتیں یا آیتیں یا کوئی حرف صرف امیر المومنین عثمان ذی النورین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ یا اور صحابہ خواہ کسی شخص کا گھٹایا ہُوا مانتا ہے یا مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں کسی سے افضل جانتا ہے، اور آج کل یہاں کے رافضی تبرائی عموماً ایسے ہی ہیں اُن میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے جو ان عقائدِ کفریہ کا معتقد نہ ہو جب تو وُہ کافر مرتد ہے اور اس کے جنازہ کی نماز حرام قطعی و گناہِ شدید ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون[1]

کبھی نماز نہ پڑھ اُن کے کسی مرُدے پر نہ اُس کی قبر پر کھڑا ہو، اُنھوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک بے حکم رہے۔

[1] القرآن ۹/۸۴

اور اگر ضروریاتِ دین کا منکر نہیں مگر تبرائی ہے تو جمہور ائمہ وفقہائے عظام کے نزدیک اس کا بھی وہی حکم ہے

كما فی الخلاصة وفتح القدير وتنوير الابصار والدر المختار والهداية وغيرها عامة الاسفار۔

جیسا کہ خلاصہ، فتح القدیر، تنویر الابصار، درمختار، ہدایہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے۔ (ت)

اور اگر صرف تفضیلیہ ہے تو اُس کے جنازے کی نماز بھی نہ چاہیے، متعدد حدیثوں میں بد مذہبوں کی نسبت ارشاد ہُوا: ان ماتوا فلا تشهدوهم[1] وُہ مریں تو ان کے جنازہ پر نہ جائیں۔ ولا تصلوا علیهم[2] ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کو توبہ استغفار کرنی چاہیے۔ اور اگر صورت پہلی تھی یعنی وُہ مُردہ رافضی منکرِ بعض ضروریاتِ دین تھا اور کسی شخص نے باآں کہ اُس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازے کی نماز پڑھی اُس کے لئے استغفار کی جب تو اُس شخص کو تجدیدِ اسلام اور اپنی عورت سے ازسرِنو نکاح کرنا چاہیے۔

فی الحلیة نقلا عن القرافی واقرہ الدعاء بالمغفرة للكافر كفر لطلبه تكذيب الله تعالٰی فيما اخبربه۔[3]

حلیہ میں قرافی سے نقل کیا اور اسے برقرار رکھا ہے کہ: کافر کے لئے دُعائے مغفرت کفر ہے کیونکہ یہ خبرِ الٰہی کی تکذیب کا طالب ہے۔ (ت)

**مسئلہ ۳۷:** از ثمن برج وزیر آباد ضلع گوجرانوالا، پنجاب۔ مرسلہ محمد خلیل اللہ صاحب پنشنر رسالدار، ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صُورت میں کہ ایک شخص جو شیعہ اثنا عشری مذہب رکھتا ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی خلیفة بلا فصل وغیرہ اعتقاداتِ مذہبِ شیعہ کا معتقد ہے فوت ہُوا ہے اُس کا جنازہ ہمارے امام حنفی المذہب جامع مسجد نے پڑھایا اور اُس کو غسل دیا، نیز اس کے ختم میں شامل ہُوا، شیعہ جماعت نے امام مذکور کے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد دوبارہ

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۴۲۰۳ الحسین بن الولید الخ دارالکتاب العربی بیروت ۸/۱۴۳
سنن ابن ماجہ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰
مسندِ امام اعظم بیان ذم القدریۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۲۵۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۵۴۰

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

شیعہ امام سے متوفی مذکور کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ کیا امام مذکور حنفی المذہب کا یہ فعل ائمۂ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو کیا امام صاحب مذکور کا یہ فعل شرعاً قابلِ تعزیر ہے اور کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

## الجواب

صورتِ مذکورہ میں وہ امام سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا، اُس نے حکمِ قرآنِ عظیم کا خلاف کیا،

قال اللہ تعالٰی ولا تصل علٰی احد منھم مات ابدًا[1]۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے، ان کے کسی مُردے کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھو۔ (ت)

تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اس کی سزا حاکمِ اسلام کی رائے پر ہے، وہ چاہتا تو بچھڑ کوڑے لگاتا اور چاہتا تو قتل کرسکتا تھا کہ اُس نے مذہب کی توہین کی۔ اُس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اُسے امامت سے معزول کرنا واجب۔ تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[2]۔

اس لئے کہ اسے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعًا ان پر اس کی اہانت واجب ہے (ت)

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون[3] (اگر لوگوں نے کسی فاسق کو امام بنایا تو گنہگار ہوں گے۔ ت) یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے کسی دنیوی طمع سے ایسا کیا ہو، اور اگر دینی طور پر اسے کارِ ثواب اور رافضی تبرائی کو مستحقِ غسل و نماز جان کر یہ حرکاتِ مردودہ کیں تو وہ مسلمان ہی نہ رہا۔ اگر عورت رکھتا ہو اُس کے نکاح سے نکل گئی کہ آج کل رافضی تبرائی عمومًا مرتدین ہیں کما حققناہ فی رد الرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "رد الرفضہ" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور بحکمِ فقہائے کرام تو نفسِ تبرا کفر ہے کما فی الخلاصۃ وفتح القدیر وغیرھا کتب کثیرۃ (جیسا کہ خلاصہ اور فتح القدیر وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ ت) نہ کہ نمازِ جنازہ کما فی الاعلام وغیرہ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ الاعلام بقواطع الاسلام میں ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۹/۸۴

[2] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۴

[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

**مسئلہ ۳۸** ازچتورگڑھ محلہ چھیپیان مسئولہ جمیع مسلمان گنگرار ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر ہجڑہ مرجائے اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور پڑھی جائے تو نیّت مرد کی کی جائے یا عورت کی؟

## الجواب

ہجڑہ اگر مسلمان ہے تو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے' اور نیت میں مرد و عورت کی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں۔ مرد و عورت دونوں کے لئے ایک ہی دُعا ہے، خصوصًا یہ ہجڑے جو یہاں ہوتے ہیں مرد ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو عورت بناتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۳۹** ازمین پوری مسئولہ مجیب اللہ صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کے لئے امامت میں احق افضل کون ہے؟ کیا امام جامع مسجد یا قاضی اس معنٰی میں کہ نکاح خوانی کرتا ہو اور لیاقت کچھ نہیں رکھتا، صرف معمولی اُردو کی کتابیں دیکھے ہُوئے ہو وُہ بلا اذن طلب کئے میّت کے ورثاء یا اولیاء سے نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے؟ اور بموجودگی کسی افضل و اعلم بالسنۃ عالم و احق بالامامۃ اس کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟ یہ جو عام طور پر رائج کہ اوّل وارث یا ولی میّت سے اذن لیتے ہیں نماز پڑھانے کا یہ کیا کچھ ضروری چیز ہے؟ اور کون امام بلا اذن طلب کئے بھی نماز پڑھا سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

## الجواب



نمازِ جنازہ ولیِ میّت کا حق ہے، دُوسرا کہ اس کے اذن کا محتاج ہے، اگر بے اُس کے اذن کے پڑھائے اُسے اعادہ نماز جائز ہے حالانکہ نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع نہیں۔ نکاح خوانی کا قاضی کوئی عہدۂ شرعی نہیں وُہ بے اذنِ ولی ہرگز نہیں پڑھا سکتا۔ یُونہی جامع مسجد کا امام اگر میّت جمعہ وغیرہ اُس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا وُہ علم و فضل میں ولیِ میّت سے زائد نہ ہو۔ اسی طرح امام الحی یعنی مسجد محلہ کا امام، ہاں اگر میّت اُن کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا۔ اور یہ فضلِ دینی میں ولی سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھا سکتے ہیں اور اور اصحابِ ولایتِ عامہ مثلًا سلطانِ اسلام یا اُس کا نائب، حاکم شہر یا اس کا نائب، قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا یا اس کا نائب، یہ لوگ ولی پر مقدم ہیں، انھیں ولی سے اجازت لینے کی مطلقًا حاجت نہیں، اور صورتِ مذکورہ کے علاوہ دونوں امام اور یہ والیانِ عام اگر نماز پڑھادیں تو ولی کو حقِ اعادہ نہیں، باقی سب محتاجِ اذنِ ولی ہیں، اگر بے اذن پڑھائیں گے حقِ غیر میں دست اندازی کے مرتکب ہوں گے مگر فرضِ کفایہ ادا ہوجائے گا۔ ولی نے اگر ان کی اقتدا کرلی فبہا کہ اذن ابتدا میں نہ تھا تو اب ہوگیا

اور اگر اقتدا نہ کی تو اُسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے، اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہو لئے تھے انھیں اس جماعتِ ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان او نائبہ (الاولی ثم نائبہ کما فی الفتح وغیرہ ش) ثم القاضی (ثم خلیفۃ الولی ثم خلیفۃ القاضی امداد عن الزیلعی ش) ثم امام الحی وتقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی کما فی المجتبی (قلت عن البقالی) وشرح المجمع للمصنف (قلت عن العتابی) لان امام الحی وھو امام المسجد الخاص بالمحلۃ وانما کان اولی لان المیت رضی بالصلوٰۃ خلفہ فی حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ ش) وفی الدرایۃ امام الجامع (عبر عنہ فی شرح المنیۃ بامام الجمعۃ ش) اولی من امام الحی (قلت والظاھر ان تقدیمہ ایضا ندبی بشرط کونہ افضل من الولی و العلۃ فیہ ایضا کون المیت رضیہ اماما لہ فی حیاتہ فلو لم یکن من یصلی الجمعۃ کالمرأۃ مثلا او کان یصلی خلف غیرہ لم یقدم علی امام الحی ولا علی الولی وکذا امام الحی اذا لم یکن المیت یصلی خلفہ لا یقدم علی الولی قال ش

نمازِ جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ، پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے ــــ شامی) پھر قاضی (پھر حاکمِ شہر کا نائب، پھر قاضی کا نائب ــــ امداد ــــ از زیلعی ــــ شامی) پھر امامِ محلہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امامِ محلہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں (میں کہتا ہوں: بقالی سے منقول) ہے اور مصنف کی شرح مجمع میں (میں کہتا ہوں: عتابی سے منقول) ہے (امامِ محلہ سے مراد وہ جو مسجدِ محلہ کا امام ہو، اس کے اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتدا پسند کی تو بعد وفات اس کی نمازِ جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے ــــ شامی) درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امام جمعہ سے تعبیر کیا ــــ شامی) امامِ محلہ سے بہتر ہے۔ (میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحبابی ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تو میّت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے پڑھنے والا ہے تو امامِ جمعہ امامِ محلہ پر اور ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ اسی طرح امامِ محلہ جب ایسا ہو کہ مرنے والا اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ شامی

لما یأتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیه الولاة وامام الحی لما مر من التعلیل وھو غیر موجود ھنا) ثم الولی بترتیب عصوبة الانکاح، فان صلی غیر الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعه عاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقه لا لاسقاط الفرض ولذا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارہا غیر مشروع انتہی[2] مزیدا منی کل مصدر بلفظة قلت مختوما بھلال۔ واللہ سبحنه و تعالٰی اعلم۔

نے کہا اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں) پھر ولی جو نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حقِ تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگرچہ قبر پر، اگر چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرضِ جنازہ ادا نہ ہُوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انھیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ عبارت ختم ہُوئی۔ درمیان میں ہلالین کے اندر قلت (میں کہتا ہُوں) کے ساتھ حوالوں کا میری جانب سے اضافہ ہے، اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)



**مسئلہ ۳:** از ملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاکخانہ ادم پور، لھورمرا، مرسلہ حافظ عبدالحمید صاحب امام مسجد ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ خدیجہ بی بی زوجہ مولوی عبدالحکیم صاحب رحلت نمود در حق صلوٰۃ جنازہ ولی زن شوہرش باشد یا پدرش و برادران و عمام او مگر پدر وغیرہ اقارب مذکورین جاہلان بے علم اند بخلاف شوہر، نیز از جانب شوہر عم او حافظ عبدالحی امام الحی موجود ست

آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ خدیجہ بی بی زوجہ عبدالحکیم صاحب کا انتقال ہوا، نمازِ جنازہ کے حق میں عورت کا ولی اس کا شوہر ہوگا یا باپ، بھائی، چچا؟ مگر باپ وغیرہ اقارب مذکورین جاہل بے علم ہیں، جب کہ شوہر صاحبِ علم ہے اور شوہر کی جانب سے اس کے چچا حافظ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲-۲۳

[2] ردالمحتار " مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۰

12

پس ولایتِ نماز درصورت مذکورہ ازیناں کراست
مخفی مباد کہ از دوسال علمائے سلہٹ دریں
مسئلہ باہم اختلافہا دارند۔ امید کہ رفع شک
فرمایند۔ بینوا توجروا۔

عبدالحمید امامِ محلہ بھی موجود ہیں، توصورتِ مذکورہ
میں نماز کی ولایت ان میں سے کس کے لئے ہے۔
واضح ہو کہ دو سال سے سلہٹ کے علماء اس مسئلہ
میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ شک دور
فرمائیں گے۔ بیان فرمائیں اجر پائیں۔

## الجواب

درولایتِ نمازِ جنازہ شوہر ازہمہ اقارب موخرست
ایں ولایت ہمچو ولایت نکاح بترتیب عصوبت و
قرابت اقرب فالاقرب را رسد اگر ازیناں
ہیچکس نباشد آنگاہ شوھر مقدم
بود۔

نمازِ جنازہ کی ولایت میں شوہر تمام اقارب کے بعد
ہے۔ یہ ولایت، ولایتِ نکاح کی طرح عصبہ ہونے
اور قریبی ہونے کی ترتیب پر قریب ترپھر قریب تر
کے لئے ہوتی ہے — اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو
اُس وقت شوہر مقدم ہوگا۔

وجہل آناں مانع حق آناں نیست،
ایشاں را رواست کہ ہر کرا خواہند بامامت اَمر
کنند۔ مامور ایشاں ہمچو ایشاں مقدم بر زوج بود
کہ متاخر را اگرچہ خود عصبہ باشد با مامور متقدم
حقِ منازعت نیست گو اجنبی باشد۔

اور ان کا جہل ان کے حق سے مانع نہیں،
ان کے لئے روا ہے کہ جسے چاہیں امامت کا حکم
دے دیں، ان کا مامور بھی ان ہی طرح شوہر پر مقدم
ہوگا کہ متاخر کو — اگرچہ عصبہ ہو — مامور کے
ساتھ نزاع کا حق نہیں، گو وہ اجنبی ہو۔



وآں کہ امام الحی را استحباباً تقدیم دادہ
اند بحکم تعلیل ونظر بزمانِ خاص ودرجنازہ مردان
ست۔ زنان را با مسجد و امام چہ کار کہ ایشاں
نہ حاضرِ جماعت می شوند نہ شرعاً اجازتش
دادند پس درصورت مستفسرہ ولایتِ نماز پدرِ
خدیجہ را بود۔

اور امامِ محلہ کو جو تقدیم دی گئی ہے اس کی علت
اور زمانہ حال پر نظر کرتے ہوئے — وہ مردوں کے
جنازے سے خاص ہے۔ عورتوں کو مسجد اور امام سے
کیا کام کہ نہ یہ حاضرِ جماعت ہوتی ہیں نہ ان کو شرعاً
اس کی اجازت ہی ہے — توصورتِ مسئولہ میں
نماز کی ولایت خدیجہ کے والد کو ہوگی۔

آرے اگر خدیجہ از مولوی عبدالحکیم پسرے
عاقل بالغ داشتے حقِ تقدم مراورا بودے کہ
پسر بر پدر در عصوبت مرجح است وآں پسر را

ہاں اگر خدیجہ کا مولوی عبدالحکیم سے کوئی عاقل
بالغ لڑکا ہوتا تو اسے حقِ تقدم ہوتا کیونکہ عصبہ ہونے
میں بیٹے کو باپ پر ترجیح حاصل ہے — اور اس لڑکے کو

شرع فرمودے کہ پدر خود مولوی عبدالحکیم را تقدیم دہ و بپاس ادب پیش او پا منہ بایں صورت مولوی عبدالحکیم را تقدم بودے۔

فی الدر المختار یقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان ان حضر او نائبہ وھو امیر المصر (ثم القاضی) ثم صاحب الشرط ثم خلیفتہ ثم خلیفۃ القاضی (ثم امام الحی) فیہ ایہام وذلک ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولٰی (ثم الولی) بترتیب عصوبۃ الانکاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقا الا ان یکون عالما والاب جاھلا فالابن اولٰی فان لم یکن لہ ولی فالزوج ثم الجیران ولہ ای للولی ومثلہ کل من یقدم علیہ (الاذن لغیرہ فیھا) لانہ حقہ فیملک ابطالہ (الا) انہ (ان کان ھناک من یساویہ فلہ) ای لذلک المساوی ولو اصغر سنا (المنع) لمشارکتہ فی الحق اما البعید فلیس لہ المنع اھ باختصار۔

وفی رد المحتار قولہ (ثم امام الحی)

شریعت حکم دیتی ہے کہ اپنے باپ مولوی عبدالحکیم کو آگے کر، اور ادب کا لحاظ کرکے اس کے آگے قدم نہ رکھ۔ اس طرح مولوی عبدالحکیم کو تقدم ہوجاتا۔

درمختار میں ہے: نماز جنازہ پڑھانے میں مقدم سلطان اسلام ہے اگر وہ موجود ہو یا اس کا نائب، یہ شہر کا حاکم اسلام ہے۔ پھر قاضی، پھر کوتوال، پھر اس کا خلیفہ پھر قاضی کا خلیفہ، پھر امام محلہ۔ اس میں برابری کا ایہام ہے اور حکم یہ ہے کہ حکام کی تقدیم واجب ہے اور امام محلہ کی تقدیم صرف مندوب ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے۔ پھر ولی۔ نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی یہاں بھی ہوگی مگر باپ کہ وہ بیٹے پر یہاں بالاتفاق مقدم ہے لیکن اگر بیٹا عالم اور باپ جاہل تو بیٹا اولٰی ہے۔ اگر کوئی ولی نہ ہو تو شوہر، پھر ہمسائے۔ ولی کو اور اسی کی طرح ہر اس شخص کو جسے دوسروں پر تقدم ہے یہ حق حاصل ہے کہ کسی اور کو اذن دے دے کیونکہ یہ اس کا حق ہے تو اسے باطل کرنے کا اسے اختیار ہوگا۔ لیکن وہاں اگر کوئی اس کے مساوی ہو تو اسے۔ اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی ہو۔ دوسرے کو روکنے کا حق حاصل ہے کیونکہ حق میں وہ اس کا شریک ہے۔ ہاں بعید کو روکنے کا اختیار نہیں اھ باختصار۔

ردالمحتار میں ہے: امام محلہ اس لئے اولٰی ہے

---

ل۱ درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

وانما كان اولى لان الميت رضى بالصلوٰة خلفه فى حال حياته فينبغى ان يصلى عليه بعد وفاته قال فى شرح المنية فعلى هذا لو علم انه كان غير راض به حال حياته ينبغى ان لا يستحب تقديمه اھ قلت هذا مسلم ان كان عدم رضاه به لوجه صحيح والا فلا تامل[1] اھ ما فى ردالمحتار ورأيتنى كتبت على هامشه مانصه.

**اقول** سيأتى بعد سطر ان الحق انما هو للولى وانما يستحب تقديم امام الحى لاجل التعليل المذكور فاذا فاتت العلة فليفت المعلول ولا دخل فى ذلك لكون عدم رضاه بوجه صحيح فليتامل.

ثم قال فى ردالمحتار واما امام مصلى الجنازة الذى شرطه الواقف وجعل له معلوما من وقفه فهل يقدم على الولى كامام الحى ام لا للقطع بان علة الرضا بالصلوٰة خلفه فى حياته خاصة بامام المحلة واستظهر المقدسى انه كالاجنبى مطلقا لانه انما يجعل للغرباء ومن لا ولى له

کہ مرنے والا اپنی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا تو بعد وفات بھی اسی کو پڑھانا چاہیے ـــ شرح منیہ میں ہے : اس تعلیل کے پیشِ نظر اگر وُہ زندگی میں اس سے راضی نہ تھا تو اس کی تقدیم مستحب نہ ہونی چاہیے اھ ـــ میں کہتا ہُوں یہ اُس صورت میں مسلّم ہے جب اُس کی ناراضی کسی صحیح وجہ کے تحت ہو ورنہ نہیں ـــ تامل کرو ـــ ردالمحتار کی عبارت ختم ہُوئی ـــ میں نے دیکھا کہ اس کے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا ہے :

**اقول** چند سطر بعد آرہا ہے کہ حق ولی ہی کا ہے اور امامِ محلہ کی تقدیم تعلیلِ مذکور کے باعث مستحب ہے تو جب یہ علّت فوت ہو تو معلول بھی فوت ہوگا اور اس میں کسی وجہِ صحیح کے تحت اس کی ناراضی ہونے کو کوئی دخل نہیں ـــ تامل کرنا چاہیے۔



آگے ردالمحتار میں ذکر ہے کہ : اب سوال یہ ہے کہ وُہ امام جو جنازہ پڑھانے کے لئے مقرر ہو جس کی وقف کرنے والے نے شرط کی ہے اور وقف سے اس کے لئے تنخواہ مقرر کردی ہے کیا امام محلہ کی طرح وُہ بھی ولی پر مقدم ہوگا یا مقدم نہ ہوگا ؟ کیونکہ قطعی بات ہے کہ زندگی میں اقتدا سے راضی ہونے کی علت صرف امامِ محلّہ کے حق میں ہے ـــ امام مقدسی نے اظہار فرمایا کہ وُہ بالکل اجنبی کی طرح ہے کیونکہ اس کا تقرر مسافروں اور ایسے مُردوں کیلئے ہوتا ہے جن کا کوئی ولی نہ ہو۔

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹

اقول وھذا اولی لما یاتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیه الولاۃ وامام الحی لما مر من التعلیل وھو غیر موجود ھنا، والفرق بینه وبین الامام الراتب ظاھر لانه لو یرضه للصلوٰۃ خلفه فی حیاته بخلاف الراتب، قال فی شرح المنیة الاصل ان الحق فی الصلوٰۃ للولی ولذا قدم علی الجمیع فی قول ابی یوسف وروایة عن ابی حنیفة لان ھذا حکم یتعلق بالولایة کالانکاح الا ان الاستحسان وھو ظاھر الروایة تقدیم السلطان ونحوہ لما مر من الوجه قوله (بترتیب عصوبة الانکاح) فلا ولایة للنساء ولا للزوج الا انه احق من الاجنبی قلت والظاھر ان ذوی الارحام داخلون فی الولایة، والتقیید بالعصوبة لاخراج النساء فقط فھم اولی من الاجنبی وھو

اقول (میں کہتا ہوں) یہ بہتر ہے اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ حق ولی کا ہے اس پر حکام اور امام محلہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے سبب ہے اور وہ علت یہاں موجود نہیں —— اور اس امام جنازہ اور پنجگانہ کے امام مقرر کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لئے کہ اس نے زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کیا جبکہ امام مقرر کا حال یہ نہیں۔ شرح منیہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کا حق ولی کو ہے، اسی لئے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ سے ایک روایت میں وہ سب سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا حکم ہے جس کا تعلق ولایت سے ہے جیسے نکاح کرانے کا معاملہ ہے، مگر استحسان یہ ہے کہ یہاں سلطان وغیرہ مقدم ہوں جس کی وجہ بیان ہوچکی اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔

عبارت درمختار (نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی ہوگی) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے یہ ولایت نہیں، اور شوہر کے لئے بھی نہیں مگر وہ اجنبی سے زیادہ حقدار ہے —— میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ ذوی الارحام بھی ولایت میں داخل ہیں اور عصبہ ہونے کی قید صرف عورتوں کو خارج کرنے کیلئے ہے

ظاهر یؤیده تعبیر الهدایة بولایة النکاح، قوله (فیقدم علی الابن اتفاقا) هو الاصح وقیل هذا قول محمد وعندهما الابن اولیٰ قال فی الفتح انما قدمنا الاسن بحدیث القسامة لیتکلم اکبرهما و هذا یفید ان الحق للابن عندهما الا ان السنة ان یقدم اباه و یدل علیه قولهم سائر القرابات اولی من الزوجات لم یکن له منها ابن فان کان فالزوج اولی منهم لان الحق للابن وهو یقدم اباه ولا یبعد ان یقال ان تقدیمه علی نفسه واجب بالسنة اھ، و فی البدائع وللابن فی حکم الولایة ان یقدم غیره لان الولایة له و انما منع عن التقدم لئلا یستخف بابیه فلم تسقط ولایته بالتقدیم قوله (الا ان یکون الخ) قال فی البحر و لو کان الاب جاهلا والابن عالما ینبغی ان یقدم الابن الا ان یقال ان صفة العلم لا توجب التقدیم فی صلوٰۃ

تو وہ اجنبی سے اولیٰ ہوں گے۔ اور یہ ظاہر ہے جس کی تائید ہدایہ کے الفاظ "ولایتِ نکاح" سے ہوتی ہے ___ عبارت درمختار (باپ بیٹے پر یہاں بالاتفاق مقدم ہے) یہی اصح ہے۔ اور کہا گیا کہ یہ امام محمد کا قول ہے اور شیخین (امام اعظم و امام ابویوسف) کے نزدیک بیٹا اولیٰ ہے ___ فتح القدیر میں ہے: ہم نے زیادہ عمر والے کو مقدم کیا حدیثِ قسامت کے پیشِ نظر، جس میں ہے کہ "دونوں میں جو زیادہ بڑا ہے وُہ کلام کرے" ___ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیخین کے نزدیک حق بیٹے کا ہے۔ مگر سنّت یہ ہے کہ وُہ اپنے باپ کو آگے کرے اس پر علماء کا یہ کلام دلالت کرتا ہے، دیگر اہلِ قرابت شوہر سے اولیٰ ہیں اگر شوہر کا اُس عورت سے کوئی بیٹا نہ ہو، اگر ہو تو شوہر اُن سے اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ حق بیٹے کا ہے اور وُہ اپنے باپ کو آگے کرے گا ___ اور یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ بیٹے کا باپ کو اپنی ذات پر مقدم کرنا ازروئے حدیث واجب ہے اھ ___ بدائع میں ہے: حکمِ ولایت کے تحت بیٹے کو یہ اختیار ہے کہ کسی اور کو آگے بڑھائے اس لئے کہ ولایت اُسے حاصل ہے اور خود آگے بڑھنے سے اس کو اس لئے روکا گیا کہ اپنے باپ کی بے ادبی کا مرتکب نہ ہو، تو دوسرے کو آگے بڑھانے کا حق اُس سے نہ گیا۔

عبارتِ درمختار (مگر یہ کہ بیٹا عالم ہو) بحر میں ہے: اگر باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹے کو آگے کرنا چاہئے۔ مگر یہ کہا جائے کہ علم نماز جنازہ میں

الجنازة لعدم احتياجه اليه واعترضه
في النهر بما مر من ان امام الحي انما
يقدم على الولي اذا كان افضل قال نعم
علل القدوري كراهة تقدم الابن
على ابيه بان فيه استخفافا به وهذا
يقتضي وجوب تقديمه مطلقا اھ قلت
وهذا مؤيد لما مر عن الفتح[1] اھ ما في
رد المحتار ملخصا ملتقطا وفي الخانية
ثم الهندية من الصلٰوة، رجل بنى مسجدا
او جعله لله تعالٰى فهو احق الناس بمرمته
وعمارته والاذان والاقامة والامامة
ان كان اهلا لذلك، فان لم يكن فالرأى
في ذلك اليه[2] اھ (ملخصا) والله سبحنه
وتعالٰى اعلم۔

تقدم کا موجب نہیں کیونکہ اس میں علم کی ضرورت نہیں۔
اس پر نہر میں یہ اعتراض ہے کہ امام محلہ ولی پر اُسی
وقت تقدم پاتا ہے جب اُس سے افضل ہو۔ ہاں
قدوری نے باپ پر بیٹے کا تقدم مکروہ ہونے کی علت
یہ بتائی کہ اس میں باپ کی اہانت و بے ادبی ہے،
اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ باپ کی تقدیم مطلقاً ضروری
ہے اھ ـــ میں کہتا ہوں اس سے اس کلام کی تائید
ہو رہی ہے جو فتح القدیر کے حوالے سے گزرا تلخیص و
انتخاب کے ساتھ رد المحتار کا مضمون ختم ہوا۔
خانیہ پھر ہندیہ کتاب الصلٰوۃ میں ہے: کسی
شخص نے مسجد تعمیر کی اور اُسے خدا کے لئے وقف
کردیا تو اس کی مرمت، عمارت، اذان، اقامت
اور امامت کا وہ سب لوگوں سے زیادہ حقدار ہے
اگر وہ اس کا اہل ہو ورنہ اس بارے میں رائے
اُسی کی لی جائے گی اھ (یعنی دوسرے کو مقرر کرنے کا حق اسی کو ہوگا) اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے
والا ہے۔ (ت)



**مسئلہ ۱۴:** موضع بکہ جیلبی والا علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب
۱۴ جمادی الاخرہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت اگرچہ بالغ ہو یا نابالغ ہو اُس کے جنازہ میں ولی داخل نہیں ہُوا تو اس کا جنازہ ہُوا یا نہیں؟

## الجواب

نماز ہوگئی مگر جو نمازِ جنازہ بے اجازت ولی پڑھی جائے ولی کو اختیار ہے کہ دوبارہ پڑھے۔ مگر جو پہلے پڑھ

---

[1] رد المحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰-۶۴۹
[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ الخ ؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۰

چکے ہیں وُہ دوبارہ نہیں پڑھ سکتے۔ پھر یہ بھی اُس صورت میں ہے کہ پہلی نماز کسی ایسے نے پڑھی جس پر ولی کو ترجیح تھی، ورنہ اگر مثلاً بادشاہِ اسلام یا قاضیِ شرع یا امامِ حی نے نماز پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وُہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔

فی الدر المختار یقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان او امیر المصر ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی فان صلی غیر الولی من لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع وان صلی من لہ حق التقدم کقاض اونائبہ او امام الحی او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لایعید[1] اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے: میت کی نماز پڑھنے میں مقدم بادشاہ یا والیِ شہر ہے پھر قاضی پھر امامِ محلہ پھر ولی ——— اگر ولی کے علاوہ ایسے شخص نے جس کو ولی پر تقدم کا حق حاصل نہیں، نماز جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے خواہ قبر پر ہی پڑھے، اسے یہ اختیار اپنے حق کے سبب ہے اس لئے نہیں کہ فرضِ جنازہ ادا نہ ہُوا تھا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پہلے جو پڑھ چکے تھے وہ ولی کے ساتھ ہوکر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے ——— اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار جائز نہیں ——— اور اگر پہلے ایسے شخص نے پڑھی جسے ولی پر تقدم کا حق حاصل ہے جیسے قاضی یا نائبِ قاضی یا امامِ محلہ یا ایسے شخص نے پڑھی جسے حقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تھی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصراً (ت)

**مسئلہ ۱۴۲:** از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ بوقتِ نمازِ مغرب جنازہ بیاید تقدیم نمازِ فرض باید یا نمازِ میت۔

اس مسئلہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ مغرب کے وقت جنازہ آئے تو پہلے نمازِ فرض کی ادائیگی ہو یا نمازِ جنازہ کی؟

## الجواب

نمازِ مغرب را تقدیم باید کما فی ردالمحتار بلکہ سنن راتبہ نیز بہ یفتی کما فی البحر وغیرہ

پہلے نمازِ مغرب ادا کرنا چاہئے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے بلکہ مقررہ سُنتوں کو بھی ادا کرلینا چاہئے۔ اسی پر

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳-۱۲۲

**اقول** آرے اگر ضرورت داعیہ بتقدیم جنازہ است مثلاً شکم مُردہ منتفخ شد و اندیشہ است کہ اگر دیر کنند منشق شود و ہنوز در وقت سعتے ست کہ بتقدیم جنازہ فوت نہ شود آنگاہ لاجرم تقدیم جنازہ مے شاید بالاتفاق کما لا یخفی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتویٰ ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے **اقول** ہاں اگر ضرورت پہلے ادائے جنازہ کی طالب ہے مثلاً مُردہ کا پیٹ پھولا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر دیر کریں تو پھٹ جائے گا، اور ابھی وقت میں اتنی وسعت ہے کہ جنازہ پہلے ادا کرنے سے مغرب فوت نہ ہوگی تو ایسے وقت میں ناچار، بالاتفاق نماز جنازہ کی ادائیگی پہلے ہوگی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم (ت)۔

## مسئلہ ۴۳

۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ظہر کی نماز کا وقت ابھی شروع ہُوا پھر جنازہ بھی آیا، اور وقت بہت ہے، اب کون نماز مقدم ہو، اور سنّت کس وقت؟

## الجواب

جب وقتِ ظہر وسیع ہے جنازے کی تقدیم کریں، ہاں اگر جنازہ لے جانے والے بھی اسی جماعتِ ظہر میں شریک ہوں گے کہ اگر جنازہ کی نماز پہلے ہوجائے جب بھی جنازہ نمازِ ظہر سے فارغ ہونے کے لئے رکھا رہے گا اور اُس کے تغیر کا اندیشہ نہ ہو تو ظہر فرض و سنّت پہلے پڑھیں کہ اس دیر میں شاید اور نمازی بھی آجائیں اور جنازے پر تکثیر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## مسئلہ ۴۴

از مرادآباد محلہ گل شہید مرسلہ مولوی جمیل الدین احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۹۱۶ء

ما قولکم ایھا العلماء الراسخون والفقہاء الماھرون فی ان ولی المیت صلی علیہ او غیرہ باذنہ صلٰوۃ الجنازۃ اول وقت العصر قبل ان یصلی العصر ھل تجوز صلٰوۃ الجنازۃ قبل صلٰوۃ العصر ام لا وان تجز فمن اعادھا بعد صلٰوۃ العصر باعتقاد انھا لاتجوز قبلھا ھل یکون مبتدعا شرعا اولا بینوہ بیانا شافیا توجروا عند اللہ اجرا وافیا۔

علمائے راسخین وفقہائے ماہرین کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ اول وقت عصر میں ولی میت نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نماز جنازہ ادائے عصر سے پہلے پڑھ لی تو عصر سے پہلے یہ نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہوئی تو جو بعد عصر جنازہ دوبارہ پڑھے اس خیال سے کہ قبلِ عصر وہ جائز نہیں تو شرعاً وہ مبتدع ہے یا نہیں؟ شافی طور پر بیان فرمائیں خدا کے یہاں وافی اجر پائیں۔

# الجواب

صلوٰة الجنازة مشروعة فی کل وقت حتی فی الاوقات الثلثة ان حضرت فیھا، فی الدر المختار ینعقد نفل بشروع فیھا بکراھة التحریم لا ینعقد الفرض وماھو ملحق بہ کواجب لعینہ کوتر و سجدة تلاوة وصلوٰة جنازة تلیت الاٰیة فی کامل وحضرت الجنازة قبل لوجوبہ کاملا فلا یتادی ناقصا فلو وجبتا فیھا لم یکرہ فعلھما ای تحریما وفی التحفة الافضل ان لا تؤخر الجنازة اھ[1] فی رد المحتار ما فی التحفة اقرہ فی البحر والنھر والفتح والمعراج لحدیث ثلث لا یؤخرن منھا الجنازة اذا حضرت اھ[2] واعتقاد انھا لا تجوز قبل صلٰوة العصر جہل فاضح او زیغ واضح وافتراء بلا امتراء علی الشریعة الغراء نعم ان ضاق الوقت یجب تقدیم العصر لکن ان قدمت صحت واذا صلاھا الولی او غیرہ باذنہ فلا تجوز اعادتھا کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بما لا مزید علیہ فی رسالتنا

نمازِ جنازہ ہر وقت مشروع ہے یہاں تک کہ تینوں اوقات مکروہہ میں بھی، اگر اُسی وقت آیا ہو۔ درمختار میں ہے: ان اوقات میں نمازِ نفل کراہتِ تحریم کے ساتھ ہوجائیگی، فرض نہ ہوگا اور وُہ بھی جو اس سے ملحق ہے جیسے واجب لعینہ، جیسے وتر اور سجدۂ تلاوت و نمازِ جنازہ جبکہ آیتِ سجدہ کامل وقت میں پڑھی گئی ہو اور جنازہ وقت مکروہ سے پہلے آگیا ہو اس لئے کہ ان کا وجوب کامل ہُوا تو ناقص طور پر ادائیگی نہ ہوگی، ہاں اگر ان دونوں کا وجوب ان ہی اوقات میں ہُوا ہو تو ان اوقات میں ان کی ادائیگی مکروہِ تحریمی نہیں۔ تحفہ میں ہے: افضل یہ ہے کہ جنازہ میں دیر نہ کی جائے اھ۔ ردالمحتار میں ہے: تحفہ میں جو مذکور ہے اسے بحر، نہر، فتح اور معراج میں برقرار رکھا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: تین چیزوں میں دیر نہ کی جائے ان میں سے ایک یہ جنازہ ہے جب آجائے اھ۔



اور یہ خیال کہ نمازِ عصر سے پہلے جنازہ ناجائز ہے رُسواکن جہالت ہے یا کھلی ہوئی گمراہی، اور شریعتِ مبارکہ پر قطعی افتراء ——— ہاں اگر وقت تنگ ہو تو پہلے عصر پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر نمازِ جنازہ پہلے پڑھ لی تو وہ بھی صحیح ہوگئی ——— اور جب ولی نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ ہم نے بتوفیقِ الٰہی اپنے رسالہ

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱
[2] ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۵

النهی الحاجز عن تکرار صلوٰة الجنائز ۱۳ ۱۵

فی السراج الوهاج والبحر الرائق وردالمحتار وجامع الرموز والجوهرة النیرة والهندیة ومجمع الانهر وغیرها ان صلی الولی علیه لم یجز ان یصلی احد بعده[1] اھ وفی الدر المختار ومن لیس له حق التقدم وتابعه الولی لایعید[2] اھ مختصرا واﷲ تعالٰی اعلم۔

النہی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز ۱۳ ۱۵ میں اس کی بھرپور تحقیق کی ہے ــــ سراج وہاج، بحرالرائق، ردالمحتار، جامع الرموز، جوہرہ نیرہ، ہندیہ، مجمع الانہر وغیرہا میں ہے: اگر ولی نے جنازہ پڑھ لیا تو اس کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں اھ درمختار میں ہے: یا کسی ایسے شخص نے پڑھا جسے ولی پر حقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصراً۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

**مسئلہ ۴۵:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھانا تیار ہے، جنازہ بھی تیار ہے، تو پہلے کھانا کھائے یا مُردے کو دفن کرے؟

## الجواب

جنازہ آگیا تو پہلے اس کی نماز پڑھ لے کہ اس نماز میں ایسی دیر نہیں ہوتی، پھر اگر بھوک وغیرہ عــہ ضرورتیں لاحق ہیں تو دفن کے لئے بعد کھانا کھائے کے جائے یا فقط نماز پر قناعت کرے، جبکہ لے جانے والے موجود ہوں اور اس کے نہ جانے سے کوئی حرج شرعی لازم نہ آتا ہو، واﷲ تعالٰی اعلم۔

**مسئلہ ۴۶:** از ٹانہ اسٹیشن دیرانیا ضلع شیخ نیاز احمد صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ کی نماز میں کچھ لوگ بلا وضو و بلا تیمم شریک ہوگئے اُن کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اُن کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ایک شخص نے کہا کہ انھوں نے کچھ بُرا نہ کیا کہ نمازِ جنازہ میں صرف امام کی طہارت ضروری ہے مقتدیوں کی طہارت کی حاجت نہیں، اُس کا یہ قول کیسا ہے؟ بینوا توجروا

---

عــہ کھانا سامنے آیا اور کھانے کے بعد جنازہ مل جائیگا، یا پہلے جنازے میں شرکت کرے تو بھوک کی وجہ سے دل کھانے کی طرف رہے گا یا کھانا ٹھنڈا ہوکر بے مزہ ہوجائے گا، یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہوجائے گی اور چبائی نہ جائے گی ۱۲ (م)

---

[1] البحرالرائق بحوالہ السراج الوہاج فصل السلطان احق بصلوٰتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۲

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

# الجواب

جنازہ کی نماز مثل اور سب نمازوں کے بغیر طہارت کے ہرگز صحیح نہیں۔ وہ پڑھنے والے گنہگار ہوئے اور انھوں نے بہت سخت بُرا کیا اور اُن کی نماز ہرگز ادا نہ ہوئی۔ نمازِ جنازہ میں صرف طہارتِ امام شرط ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایسا ہو جب بھی اُس میت کی نمازِ جنازہ ادا ہو جائیگی اور وہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا کہ جب امام طاہر تھا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی اس فرض کے ادا کرنے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں جماعت شرط نہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ فقط طہارتِ امام صحتِ نمازِ مقتدیان کے لئے بھی کفایت کرتی ہے مقتدیوں کو بے طہارت پڑھ لینی جائز ہے، یہ محض جہالتِ فاحشہ ہے، جس نے یہ فتوٰی بیہودہ دیا وہ شرعاً تعزیر دئے جانے کے قابل ہے کہ جاہل کو مفتی بننا حرام ہے۔

فی رد المحتار اما الشروط التی ترجع الی المصلی فھی شروط بقیۃ الصلٰوۃ من الطھارۃ الحقیقیۃ بدنا وثوبا ومکانا و الحکمیۃ وستر العورات والاستقبال والنیۃ سوی الوقت۔[1]

ردالمحتار میں ہے: نمازِ جنازہ پڑھنے والے سے متعلق شرطیں وہی ہیں جو بقیہ نمازوں سے متعلق ہیں کہ بدن، جامہ، جگہ نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہو، بدن نجاستِ حکمیہ سے بھی پاک ہو، ستر عورت ہو، استقبالِ قبلہ اور نیت ہو وقت کی شرط نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لاصحۃ لھا بدون الطھارۃ۔[2] (بغیر طہارت کے نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ ت)

درمختار میں ہے:

لوام بلاطھارۃ والقوم بھا اعیدت و بعکسہ لاکما لوامت امرأۃ ولو امۃ لسقوط فرضھا بواحد۔[3]

اگر امام بے طہارت ہے اور مقتدی با طہارت تو جنازہ پھر سے پڑھنا ہے اور اس کے برعکس ہے تو اعادہ نہیں، جیسے اگر کوئی عورت امامت کردے خواہ کنیز ہی ہو تو اعادہ نہیں اس لئے کہ ایک کے پڑھ لینے سے بھی فرضِ جنازہ ادا ہو جاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب صلٰوۃ الجنائز | مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر | ۱/۵۸۲
[2] ردالمحتار | 〃 | 〃 〃 〃 〃 | 〃
[3] درمختار | 〃 | 〃 مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۱

ردالمحتار میں ہے :

ای لا تعاد لصحة صلوٰة الامام وان لم تصح صلوٰة من خلفه[1] واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یعنی اعادہ اس لئے نہیں کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی اگرچہ پیچھے والوں کی نماز صحیح نہ ہوئی۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

**مسئلہ ۷۴** از گوالیار مسئولہ مولوی محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) ایک جنازے کی نماز میں زید نے لوگوں کو کہ جنھوں نے جوتوں میں سے پیروں کو نکال کر اور جوتے کے اوپر پیر رکھ کر نماز پڑھنا چاہا، روکا کہ پیر جوتوں سے مت نکالو جوتے پہنے ہوئے نماز درست ہے۔ عمرو نے ایک شخصیت کے الفاظ میں کہا کہ کوئی کہتا ہے جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھو، جوتے سب اتار ڈالیں۔ چنانچہ بعض نے زید کے کہنے پر عمل کیا بعض نے عمرو کے کہنے پر۔ بعد نماز کے بحث پیش آئی، زید نے تحریری جواب کہ رسول خدا نے نماز میں جوتا اتارا، مقتدیوں نے بھی اتارا، پیغمبر صاحب نے دریافت کیا کہ تم نے جوتے کیوں اتارے؟ جواب دیا کہ اتباع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جوتے میں ناپاکی ہے۔ پس معلوم کرلینا چاہئے، عمرو کو ایسا کہنا خلاف تھا اس لئے کہ وہ کیسے برجستہ الفاظ صدر کہہ سکتا تھا اس لئے کہ ناپاکی کا ثبوت نہیں رکھتا تھا، مقامی حالت پر جہاں جوتے اتار کر نماز پڑھنے کے واسطے عمرو نے کہا تھا یہ تھی کہ وہاں پر گھوڑے وغیرہ پیشاب کرتے ہیں، جوتے پہنے ہوئے جس قدر لوگ تھے اُن کے جوتے ناپاک تھے پس اس حالت میں شرعاً عمرو کا کہنا صحیح سمجھا جائے گا یا زید کا؟

(۲) عمرو مذکور نے ایک مرتبہ ایسا بھی کیا ہے کہ نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھائی، زید نے اس کو مکروہ کہا، اور جب عمرو کی جانب سے لوگوں نے بحث کی تو اُس نے علاوہ مکروہ کے آثارِ فتنہ اور بدعت بھی ثابت کیا، کیا زید کا کہنا حق ہے؟

## الجواب

(۱) اگر وُہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی اُن کی نماز نہ ہوئی، احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔ ردالمحتار میں ہے :

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵۸۲/۱

قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیہا ویلزم منہ فسادھا من کثیر من المصلین لعموم النجاسۃ وعدم خلعھم نعالھم المتنجسۃ[1]

کبھی بعض مقامات میں بیرونِ مسجد سڑک پر جنازہ رکھ کر نماز پڑھی جاتی ہے اس سے بہت سے لوگوں کی نماز کا فساد لازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہیں نجس ہوتی ہیں اور لوگ اپنے نجاست آلود جُوتے اتارتے نہیں (ت)

اُسی میں ہے :

فی البدائع لو صلی علی مکعب اعلاہ طاھر وباطنہ نجس عند محمد یجوز لانہ صلی فی موضع طاھر کثوب طاھر تحتہ ثوب نجس اھ وظاھرہ ترجیح قول محمد وھو الاشبہ[2] (ملخصاً)

بدائع میں ہے : اگر کسی ایسے مکعب پر نماز پڑھی جس کا بالائی حصّہ پاک ہے اور اندرونی حصہ ناپاک ہے تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے ۔ اس لئے کہ نماز پاک جگہ ادا ہُوئی جیسے کوئی پاک کپڑا ہو جس کے نیچے دوسرا ناپاک کپڑا ہو اھ ، اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور وہی اشبہ ہے (ملخصاً) (ت)

زید نے بیانِ حدیث میں غلطی کی ، حدیث میں تو لفظ نجاست نہیں لفظ قذر ہے یعنی گِھن کی چیز جیسے ناک کی آمیزش وغیرہ نجاست ہوتی تو نماز سرے سے پڑھی جاتی کہ نماز کا ایک جُز باطل ہونا ساری نماز کو باطل کردیتا ہے ، واللہ تعالٰی اعلم ۔

(۲) نمازِ جنازہ جب ولی پڑھ لے یا باذنِ ولی ہو جائے تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں ،

کما ھو مصرح فی جمیع الکتب وتفصیلہ فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

جیسا کہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور اس کی تفصیل ہمارے رسالے النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز میں ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

**مسئلہ ۴۹** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ اس طرح ادا کرنا کہ میت چارپائی پر ہو اور چارپائی کے پائے ایک ہاتھ سے زائد بلند ہوں جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے جائز ہے ؟ بینوا توجروا ۔

## الجواب

نماز کے وقت میت کا چارپائی پر ہونا صدرِ اوّل سے معمولِ مسلمانان ہے اُس کے پائے حسبِ عادت

---

[1] رد المحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۴

[2] رد المحتار باب مفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا " " " " " ۱/۴۲۱

ہاتھ بھر یا کم یا کبھی زائد ہر طرح کے ہوتے ہیں، کبھی اس پر انکار نہیں ہُوا۔ جو ہاتھ بھر سے تھوڑے زائد کو ناجائز بتائے وُہ سند دے۔ جس نے ناجائز کہا جس نے ناجائز لکھا، اور ہرگز سند نہ دے سکے گا، اُس وقت اُس پر کُھل جائے کہ اُس کا ناجائز کہنا شریعتِ مطہرہ پر افترا تھا، ہاں اگر پلنگ اتنا اونچا ہو کہ قدِ آدم سے زائد، جس میں امام کی محاذات میت کے کسی جزو سے نہ ہو تو البتہ نماز ناجائز ہوگی کہ محاذات شرط ہے، مگر کوئی پلنگ اتنا اونچا نہیں ہوتا۔

فی رد المحتار عن جامع الرموز عن تحفۃ الفقہاء ان رکنھا القیام و محاذاتہ الی جزء من اجزاء المیت[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں جامع الرموز سے، اس میں تحفۃ الفقہاء سے منقول ہے نماز جنازہ کا رکن قیام ہے اور نمازی کا میت کے کسی جز کے مقابل ہونا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

**مسئلہ ۵۰:** از اجمیر شریف مرسلہ محمود الحسن ۲۳ محرم ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر جنازہ کو ایسی چارپائی پر رکھ کر نماز پڑھی کہ جس کے پائے ایک بالشت سے کم تھے تب تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔ اور ثبوت میں شامی اور کبیری پیش کرکے کہتا ہے کہ جنازہ مثل امام کے ہے جس طرح امام کا ایک بالشت سے اوپر کھڑا ہونا مفسدِ صلوٰۃ ہے اس صورت میں بھی پائے ایک بالشت سے زائد ہونا مانع صلوٰۃ جنازہ ہے۔ کیا واقعی اگر پائے ایک بالشت سے زیادہ ہوں تو مفسدِ صلوٰۃ جنازہ ہیں یا ایک بالشت ہونا اولٰی، اور اس سے زائد مکروہ ہے یا مطلقاً خواہ جس قدر بھی پائے لمبے ہوں جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

زید کے اقوال سب باطل و بے اصل ہیں، نہ پایوں کی بلندی کی شرعاً کسی حد پر مخصوص رکھی گئی ہے، نہ ایک بالشت بلندی میں کچھ اولویت، نہ ایک بالشت یا ایک گز امام کی بلندی مفسدِ نماز، نہ ہر بات میں جنازہ مثل امام، یہ ہوساتِ عاطلہ و اوہام باطلہ ہیں، جنازہ کا زمین پر رکھا ہونا ضرور شرط ہے اگرچہ پائے کتنے ہی بلند ہوں اور امام کا بقدرِ امتیاز سب مقتدیوں سے اُونچا ہونا صرف مکروہ ہے نہ کہ مفسدِ نماز۔ واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ ۵۱:** نمازِ جنازہ میں امام کے نیچے جانماز ہوتی ہے اور مقتدی سب زمین پر، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۰۸

# الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جواز تو یقینی ہے۔ رہی کراہت اُس کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں۔ نہ فقیر کو یاد کہ کسی کتاب میں اُسے منع لکھا ہو۔ درمختار میں جو اس مقدار کو جس سے امام و مقتدی میں امتیاز پایا جائے مکروہ لکھا وہاں بلندی موضع میں کلام ہے یعنی امام کو مقتدیوں سے اتنا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امتیاز واقع ہو اور وجہ اس کی حدیث میں نہی آنا اور اہلِ کتاب سے مشابہت پایا جانا ہے کہ یہود وعنود اپنے امام کے لئے جائے بلند مقرر کرتے ہیں یہاں تک کہ نہی و مشابہت ثابت نہیں تو کراہت پر بھی حکم نہیں دے سکتے۔

فی الدر المختار وانفراد الامام علی الدکان للنھی وقدر الارتفاع بذراع ولا بأس بما دونہ وقیل مایقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ[1] فی رد المحتار قولہ للنھی وھو مااخرجہ الحاکم انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یقوم الامام فوق ویبقی الناس خلفہ وعللوہ بانہ تشبہ باھل الکتاب فانھم یتخذون لامامھم دکانا[2] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا ومولٰنا محمد وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم اٰمین۔

دُرمختار میں ہے: امام کا تنہا کسی دُکان (اونچی جگہ) پر کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ممانعت آئی ہے۔ اونچائی کی مقدار ایک ہاتھ ہے اس سے کم ہو تو حرج نہیں اور کہا گیا کہ بس اتنی اونچائی جس کی وجہ سے وہ ممتاز نظر آئے اور یہی اوجہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ممانعت کی حدیث وہ ہے جسے حاکم نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ امام اوپر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے نیچے رہیں۔ علماء نے اس کی علت یہ بتائی ہے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے اس لئے کہ وہ اپنے امام کے لئے کوئی اونچی جگہ بناتے ہیں، بحر، اھ۔ اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالٰی کی رحمت، برکت اور سلام ہو ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ اور ان کی آل و اصحاب سب پر۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

## مسئلہ ۵۲   ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کے نماز پڑھانے کے واسطے جو جا نماز ملتی ہے اس سے کُرتا اور کچھ اور کپڑا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو اس سے جو نمازِ مفروضہ پڑھی گئی ہو وہ لوٹائی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کفن سے یہ جانماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

---

[1] درمختار   باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا   مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی   ۱/۹۲

[2] ردالمحتار   "   "   "   ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر   ۱/۴۳۴

## الجواب

اس جانماز سے دو غرضیں لوگوں کی ہیں: ایک یہ اکثر نمازِ جنازہ راستے وغیرہا بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے، مسجد کہ صاف و پاکیزہ رکھی جاتی ہے اُس میں نمازِ جنازہ منع ہے تو بغرضِ احتیاط امام کے نیچے جانماز بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اُس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ کسی کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جانماز کے سبب امام کی تو ہوجائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض و ابرائے ذمّہ کے لئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسرے نفعِ فقیر کہ وہ جانماز بعد نماز کسی طالب علم یا اور فقیر پر تصدیق کردی جاتی ہے، اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں، اور جس فقیر پر وہ تصدق کی گئی اس کی مِلک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنائے اُس میں نماز مکروہ بھی نہیں، نہ اصلاً حاجتِ اعادہ۔ کما لا یخفی (جیسا کہ واضح ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مسئلہ ۵۳** از منڈی ہلدوانی، ضلع نینی تال، مرسلہ حفیظ احمد مستری ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

نمازِ جنازہ کے وقت امام کے سامنے جو جانماز بچھاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب

جائز ہے وقد بینّا الحکمۃ فیہ فی فتاوٰنا (اور اس کی حکمت ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کی ہے۔ت)



**مسئلہ ۵۴** ۲۳ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بزرگ کے مزار پر چادریں چڑھائیں، اور زیارت کے مجاور نے اپنے قبضہ میں لاکر ان چادروں کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور عمرو نے بکر کے ہاتھ، پس اس حالت میں بکر کو اس کا اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

اگر تصریحاً عُرف و رواج سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ چادریں مجاوروں کے لینے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں تو مجاور مالک ہوگیا اور بیع جائز ہوئی اور اُسے اوڑھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں، اور اگر چادر اس لئے چڑھائی کہ مزار پر رہے تو وہ مِلک زید پر باقی ہے اور بیعیں اس کی اجازت پر موقوف ہیں، اگر جائز کردے گا نافذ ہوجائیں گی ورنہ باطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

13

**مسئلہ ۵۵** از کلی ناگر پرگنہ پورن پور ضلع پیلی بھیت مکان علن خاں نمبردار مرسلہ اکبر علی شاہ ۹ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں مقتدی فقط سبحان پڑھ کر خاموش ہوجائیں اور کچھ نہ پڑھیں یا سبحان، درود شریف، دعا جو کچھ امام پڑھے مقتدی بھی پڑھیں؟ بینوا توجروا۔

## الجواب

مقتدی بھی سب کچھ پڑھیں کہ نمازِ جنازہ میں صرف ذکر و دعا ہے قراءتِ قرآن نہیں، اور مقتدیوں کو صرف قراءتِ قرآنِ عظیم ہی منع ہے باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں۔

فی الرحمانیۃ فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن الثناء ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیھم فی التکبیرات الثلث ولا قراءۃ فیھا[1]

رحمانیہ میں ہے، طحاوی میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ لے جانے کے ساتھ تکبیرِ افتتاح کہیں، پھر ثناء پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور میت کے لئے استغفار کریں پھر تکبیر کہیں اور سلام پھیریں۔ بعد کی تینوں تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اور نمازِ جنازہ میں قراءتِ قرآن نہیں۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

وان کان المیت غیر بالغ قال الامام ومن خلفہ یقولون اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا ذخرا شافعا و مشفعا[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر میت نابالغ ہو تو امام اور مقتدی سب کہیں گے اے اللہ! اسے ہمارے لئے آگے جانے والا کردے اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ بنا دے اور شفاعت کرنے والا، مقبول الشفاعۃ کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

**مسئلہ ۵۶** از لشکر کانپور محلہ توپخانہ بازار قدیم، چھوٹی مسجد، مرسلہ محمد یوسف علی صاحب ۲۰ صفر مظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہیے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے، افضل کیا ہے؟

---

[1] رحمانیہ

[2] خزانۃ المفتین

3/3

## الجواب

ہاتھ باندھنا سُنّت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ ت) سلام وقت خروج ہے اُس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ ۵۷** ازبنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

بہارِ شریعت جلد ۴ میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول کر سلام پھیرے (درمختار، ردمحتار) حالانکہ ان کتابوں میں ہاتھ کھولنے کا ذکر نہیں، سخت اضطراب ہے رفع فرمائیے۔

## الجواب

جس روز آپ کا سوال آیا حُسنِ اتفاق سے اُس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لئے یہاں آئے میں نے اُن سے پُوچھا اُنھوں نے فرمایا یہ مسئلہ طویل متعدد مسائل پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں میں نے درمختار و ردالمحتار وغیرہما لکھا ہے۔ وغیرہما سے یہاں میری مراد فتاوٰی رضویہ ہے، وہاں جو کچھ مذکور ہے اس کا بعض درمختار سے لیا گیا اور بعض ردالمحتار سے، اور یہ مسئلہ فتاوٰی رضویہ سے۔ انتہیٰ کلامہ۔ ظاہر ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد نہ قیام ذی قرار ہے نہ اس میں کوئی ذکر مسنون، تو ہاتھ باندھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تکبیر رابع کے بعد خروج عن الصلاۃ کا وقت ہے اور خروج کے لئے اعتماد کسی مذہب میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم



**مسئلہ ۵۸** نمازِ جنازہ میں تکبیر اخیر کے بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ ایک بار کہا بعدیا دوبارہ تکبیر کہی اور پھر سلام پھیرا۔

## الجواب

دوسری صورت میں نماز ہو جانا بھی اُسی صورت میں ہے کہ اس نے بھُول کر سلام پھیرا ہو، اور اگر قصداً پھیرا یہ جان کر کہ نمازِ جنازہ میں تین ہی تکبیریں ہیں، تو یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

**مسئلہ ۵۹** از شہر مراد آباد محلہ مغلپورہ حصّہ اول۔ مرسلہ مولوی سید اولاد علی صاحب ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ کا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو پُورا کرے تو ان میں کس کس تکبیر میں کیا کیا پڑھے؟

## الجواب

اگر جنازہ اٹھالیا جانے کا اندیشہ ہو جلد جلد تکبیریں بلا دُعا کہہ کر سلام پھیر دے ورنہ ترتیب وار

پڑھے۔ مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو چوتھی امام کے ساتھ کہہ کر بعد سلام پہلی تکبیر کے بعد ثنا پھر درود پھر دعا پڑھے اور دو فوت ہوئیں تیسری امام کے ساتھ دُعا، چوتھی کے بعد سلام، پھر اول کے بعد ثنا، دوم کے بعد درود، اور ایک ہی فوت ہوئی تو بعد سلام ایک تکبیر کے بعد ثنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

**مسئلہ** از کانپور بوچڑ خانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جلشانی طالبعلم مدرسہ فیض علم ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

ماجوابکم ایہا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ مُردہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو کتنے دن تک پڑھنا جائز ہے؟

## الجواب

جب تک بدنِ میت کا سالم ہونا مظنون ہو اور یہ امر اختلافِ موسم و حالِ زمین و حالِ میت سے جلدی و دیر میں مختلف ہوجاتا ہے، گرمی میں جلد بگڑجاتا ہے سردی میں بدیر، زمین شور یا نمک میں جلد، سخت و غیر شور میں بدیر، فربہ مرطوب جلد، خشک و لاغر بدیر، تو اس کے لئے مدت معین نہیں کرسکتے۔

فی الدر دفن واھیل علیہ التراب بغیر صلٰوۃ اوبہا بلاغسل صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ھو الاصح[1]

فی ردالمحتار لانہ یختلف باختلاف الاوقات حراً وبرداً والمیت سمناً وھزالا والامکنۃ بحر، وفی الحلیۃ نص الاصحاب علی انہ لایصلی علیہ مع الشك فی ذلك ذکرہ فی المفید والمزید وجوامع الفقہ وعامۃ الکتب، وعللہ فی المحیط بوقوع الشك فی الجواز اھ وتمامہ فیہا اھ ملخصین[2]

واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے بغیر نماز کے، یا بغیر غسل کے نماز پڑھ کر میت کو دفن کردیا گیا اور اس پر مٹی ڈال دی گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک اس کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو، اس میں کسی مدت کی تعیین نہیں یہی اصح ہے۔ ردالمحتار میں ہے: اس لئے کہ اس میں سردی گرمی کے لحاظ سے اوقات کے فرق سے، اور فربہی لاغری کے لحاظ سے مردے کے فرق سے، اور مقامات کے فرق سے فرق پڑتا ہے، بحر۔ حلیہ میں ہے کہ ہمارے علمائے صراحت فرمائی ہے کہ اس میں شک ہو تو نماز نہ پڑھی جائے گی، اسے مفید، مزید، جوامع الفقہ اور عامہ کتب میں بیان کیا ہے۔ محیط میں اس کی علت یہ بتائی ہے کہ جواز میں شک ہوگیا اھ اور پُوری بات اسی میں ہے اھ بہ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار | باب صلٰوۃ الجنائز | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۳

[2] ردالمحتار | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۲۴

**مسئلہ ۶۱** از خیرآباد ضلع سیتاپور محلہ میانسرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب رضوی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جب ایک امام اور پانچ مقتدی ہوں تو بنظر حصول نعمتِ بشارت مغفرت تین صفوف اس طرح کرلی جائیں کہ صفِ اوّل و دوم میں دو دو نفر اور صفِ سوم میں ایک نفر ہو۔ کیونکہ عباراتِ کتبِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں ایک شخص کی صف کراہت سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ صاحبِ ردالمحتار بحوالہ کتاب محیط تحریر فرماتے ہیں۔

قال فی المحیط ویستحب ان یصف ثلاثۃ صفوف حتی لوکانوا سبعۃ یتقدم احدھم للامامۃ ویقف وراءہ ثلٰثۃ ثم اثنان ثم واحد اھ فلوکان الصف الاول افضل فی الجنازۃ ایضا لکان الافضل جعلھم صفا واحدا ولکرہ قیام الواحد وحدہ کما کرہ[1] اھ۔

محیط میں تحریر کیا گیا کہ مستحب ہے کہ تین صفیں ہوں یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک امام ہوجائے تین اس کے پیچھے کھڑے ہوں پھر دو پھر ایک۔ تو اگر جنازہ میں پہلی صف افضل ہوتی تو ان سب کو ایک صف میں کردینا بہتر ہوتا اور تنہا ایک کا کھڑا ہونا مکروہ ہوتا جیسے غیر نماز جنازہ میں مکروہ ہے اھ۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے بحوالہ کتاب تاتارخانیہ اور قنیہ میں بحوالہ کتاب جامع التفاریق للبقالی و عین الہدایہ میں اور رسالہ تجہیز و تکفین میں یہی ترتیب درج ہے اس اتفاق عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طریقہ پسندیدہ فقہائے کرام یہی ترتیب مذکورہ ہے۔ فقط

**جواب:** جس حدیث میں یہ بشارت ہے اُس میں تین صفوف مروی ہیں، پس جہاں تک ہر ایک صف میں کم از کم دو تین آدمی ہوسکیں ایسا کرنا عمدہ ہے کیونکہ ایک شخص کو صف نہیں کہتے ہیں۔ ورنہ پھر تین مقتدی ہوں تو تین صف کرنی چاہئے۔ حالانکہ یہ شاید کسی فقیہ و عالم کو پسندیدہ نہ ہو۔ اُس حدیث کی شرح میں مرقاۃ ملا علی قاری میں یہ عبارت منقول ہے:

وفی جعلہ صفوفا اشارۃ الی کراھۃ الانفراد[2]۔

اور اس کے چند صف بنانے میں اکیلے ہونے کی کراہت کی جانب اشارہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز مطبوعہ دارالطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۸۶

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ الخ ر مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۴

اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اکیلا نہ ہو تو یہ اشارہ ہے۔ محیط کی روایت الانفراد کے غیر صحیح ہونے پر۔ بہرحال۔
پانچ مقتدیوں میں اس تکلف کی حاجت نہیں ہے۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ کراہت سے بچنا استحباب کے حاصل
کرنے سے مقدم ہے اور روایات نہی عن الانفراد سے استثنائے صلوٰۃ جنازہ موجہ نہیں معلوم ہوتا ہے، نیز
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

واقل الصف ان یکون اثنین علی الاصح[1]   اصح یہ ہے کہ صف کم سے کم دو کی ہو۔ (ت)

پس کراہت انفراد اس عبارت سے خوب ظاہر ہوگئی، یہ تفریع تفریعات مشائخ سے معلوم ہوتی ہے۔ ائمہ
ثلاثہ سے منقول نہیں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے اس میں یہ فرمایا کہ ایک شخص کی صف نہیں ورنہ
تین کی تین صف کرنی چاہیے۔ وھو بعید۔ کتبہ عزیز الرحمان

آپ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین گزارش ذیل میں کہ کتب فقہ سے دو امر بالبداہۃ
ماخوذ ہوتے ہیں۔ صلاۃ جنازہ میں شخص واحد کی صف کا کراہت سے مستثنیٰ ہونا ونیز شخص واحد کو علی الاصح بتبعیت
دیگر صفوف صف سے تعبیر کیا جانا، اَولیٰ ہونا زیادتی صف اول کی بمقابلہ صف دوم اور صف دوم بمقابلہ صف
سوم کی، حتی کہ واسطے زیادتی صف اوّل کے سات نمازی ہونے کی حالت میں صفِ اولیٰ میں تین اشخاص کا
کھڑا کیا جانا اور صفِ سوم میں صرف ایک شخص کا رہنا پسند کیا گیا، حالانکہ ممکن تھا کہ ہر صف میں دو دو نفر کھڑے
کئے جاتے۔ یہ پتا کسی کتاب سے نہیں چلتا ہے کہ فقہائے کرام نے اس ترتیب پسندیدہ خود کا استخراج کس حدیث
یا کس نص سے کیا ہے اور حضرت ملا علی قاری نے اس بنا پر ان کی مخالفت پسندی کی کہ شخص واحد کے صف کے وجود
ہی سے انکار فرمادیا۔ جس سے ترتیب پسندیدہ فقہائے کرام بالکلیہ غلط وعبث ہوئی جاتی ہے۔ پس ہدایت خواہ
ہوں کہ اس اختلاف ترتیب صفوف ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تحقیق وتنقیح موافق ملت احناف رحمہم اللہ ہو بحوالہ کتب
بخوبی صراحت سے تحریر فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں، نیز یہ بھی ہدایت فرمائی جائے کہ بحالت
موجودگی چھ نمازیوں کے اس طرح پر ترتیب صفوف ثلاثہ کی بہتر ہوگی کہ ایک امام اور پس امام دو صفوف میں دو دو
نفر اور صفِ سوم میں شخصِ واحد کھڑا ہو یا جملہ مقتدیوں کی ایک ہی جماعت کی جائے کہ صفوفِ ثلاثہ کی ترتیب کم از کم
سات اشخاص کا ہونا سب کتب میں مرقوم ہے، اس سے کم کی نسبت کچھ ذکر نہیں ہے حالانکہ ترتیب چھ اشخاص
کی بھی ممکن ہے۔

## الجواب

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاد امام اجل عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل تلمیذ

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۶۵

ام المومنین صدیقہ و ام المومنین ام سلمہ و ابوہریرہ و ابوسعید خدری و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روایت فرماتے ہیں،

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فکانوا سبعۃ فجعل الصف الاول ثلثۃ والثانی اثنین والثالث واحدا[1]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، صرف سات آدمی تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلی صف تین آدمیوں کی کی، دوسری صف دو کی اور تیسری صف ایک شخص کی۔

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں،

فی القنیۃ ثم ان کان القوم سبعۃ فاتموھا ثلثۃ صفوف یقدم احدھم وخلفہ ثلثۃ وخلفھم اثنان وخلفھما واحد انتہی قلت ولیشھد لہ ان عطاء بن ابی رباح روی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم صلی علی جنازۃ فکانوا سبعۃ (وساق الحدیث وقال) ولو لاھذا الحدیث لقلنا بکراھۃ جعل الواحد صفا لامرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وصحبہ وسلم للمنتبذ وراء الصف فی الصلوٰۃ المطلقۃ باعادتھا کما تقدم فی موضعہ اللھم الا ان یقال ان ذلک ایضا اذا لم یکن فیہ تحصیل مصلحۃ مقصودۃ من الصلاۃ وقد وجدت ھٰھنا مصلحۃ مقصودۃ وھی السعی فی حصول المغفرۃ للمیت کما اخبرہ

قنیہ میں ہے: اگر سات آدمی ہوں تو پوری تین صف بنائیں، ایک آگے ہو، تین اس کے پیچھے، دو ان کے پیچھے اور ایک ان کے پیچھے (عبارت قنیہ ختم) میں کہتا ہوں اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی صرف سات آدمی تھے (آگے حدیث ذکر کی، پھر کہا) اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو ایک شخص کی صف بنانے کو ہم مکروہ کہتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے صلاۃ مطلقہ میں صف کے پیچھے الگ تھلگ کھڑے ہونے والے کو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا جیسا کہ یہ اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے — مگر یہ کہا جائے کہ وہ بھی اس وقت ہے جب اس میں نماز کی مصلحت مقصودہ کی بجا آوری نہ ہو، اور یہاں نماز کی ایک مصلحت مقصودہ موجود ہے وہ ہے میت کے لئے

---

[1]

الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

حصولِ مغفرت کی کوشش، جیسا کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔(ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

یستحب ان یصفوا ثلثۃ صفوف حتی لوکانوا سبعۃ یتقدم احدھم للامامۃ و یقف وراءہ ثلثۃ ووراءھم اثنان ثم واحد ذکرہ فی المحیط لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی علیہ ثلثۃ صفوف غفرلہ رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن والحاکم وقال صحیح علٰی شرط مسلم[2] اھ قلت ورواہ احمد وابن ماجۃ وابن سعد فی الطبقات والبیھقی فی السنن وابن مندۃ فی المعرفۃ کلھم عن مالک بن ھبیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بالفاظ شتی وکلھا فی نظری بحمد اللہ تعالٰی۔

تین کرنا مستحب ہے یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک شخص امامت کے لئے آگے ہو اور اس کے پیچھے تین کھڑے ہوں، ان کے پیچھے دو، پھر ایک۔ اسے محیط میں ذکر کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کی بخشش ہوجائے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا حدیث حسن ہے۔ اور حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح برشرطِ مسلم ہے اھ میں کہتا ہوں: اسے امام احمد، ابنِ ماجہ، طبقات میں ابنِ سعد، سنن میں بیہقی، معرفہ میں ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان سبھی محدثین نے حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالفاظِ مختلفہ روایت کیا اور بحمدہ تعالٰی سب میری نظر میں ہیں۔(ت)

رحمانیہ میں عتابیہ سے ہے:

لوکان القوم سبعا قاموا ثلثۃ صفوف یتقدم واحد وثلثۃ بعدہ واثنان بعدہ وواحد بعدہ لان فی الحدیث من صلی علیہ ثلثۃ صفوف غفرلہ[3] اھ قلت وافرد

اگر سات آدمی ہوں تو تین صف میں کھڑے ہوں، ایک آگے ہو، تین اس کے بعد، دو اس کے بعد، اور ایک اس کے بعد۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے جس کا جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کی مغفرت ہوجائے اھ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیہ فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی چوک اردو بازار لاہور ص ۵۸۸

[3] رحمانیہ

الضمیر فی "بعدہ" فی اخیرین ارجاعالہ الی الصف۔ میں کہتا ہوں دو اخیر والے "اس کے بعد" میں ضمیر واحد اس لئے رکھی کہ مرجع صف کو بنایا ہے۔ (ت)

حلیہ و غنیہ و ردالمحتار شروح معتمدہ ہیں اور جامع التفاریق و محیط و عتابیہ و تاتارخانیہ و عالمگیریہ فتاوٰی مستندہ اور کتبِ مذہب میں ان کا کہیں خلاف نہیں۔ لاجرم امام ابن امیر الحاج نے جنازہ میں ایک شخص کے صف ہونے کی کراہت کو امام احمد بن حنبل سے ایک روایت کی طرف نسبت فرمایا:

حیث قال بعد ما قدمنا عنہ ھذا وعن احمد انہ کرہ ان یکون الواحد صفا۔[1] اس طرح کہ ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا: یہ محفوظ رکھو، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کی صف کو مکروہ جانا۔ (ت)

اپنے مذہب میں کراہت کی کوئی روایت ہوتی تو وہی احق بالذکر تھی، صرف مذہب غیر کی طرف نسبت پر اکتفا نہ کی جاتی۔ غرض فقہ یہ ہے اور حدیث وہ، پھر مخالفت کیا معنی۔ رہا وہ اشارہ جو مرقاۃ میں استنباط کیا اور اس کے سبب جُہّال نے نصوصِ حدیث و فقہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔

**اقول** وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) نہ وہ استنباط مقبول ہے نہ اُس پر اعتماد جائز،

**اوّلاً** وہ علی قاری کی ایک بحث ہے اور منقول کے حضور بحث اصلاً قابلِ التفات نہیں

کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار وقد اکثرنا نقولہ فی فتاوٰنا۔ جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں تصریح ہے اور بہت سی عبارتیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں نقل کی ہیں۔ (ت)

اور اُسے مرقاۃ میں منقول بتانا جہل صریح ہے یا افترائے قبیح، پھر جزئیہ منصوصہ کتب مذہب کو قول قاری سے غیر صحیح کر دینا سخت جرأت مردودہ ہے۔ فتاوائے معتمدہ اکثر منصوصات ائمہ کو مطلق و مرسل بلا عزو لکھتے ہیں کما لایخفی علٰی خادم الفقہ (جیسا کہ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں۔ ت) بلکہ قدمائے اہل فتاوٰی غالباً اقوالِ مشائخ کو معزو لکھتے ہیں اور نصوصِ مذہب کو بلاعزو، خصوصاً جبکہ ائمہ مذہب سے ان میں خلاف نہ منقول ہو۔ شرنبلالی علٰی درر الحکام میں ہے:

صرح بہ قاضی خان من غیر اسنادہ (قاضی خاں نے کسی کی طرف اسناد کئے بغیر اس کی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

لاحد فاقتضی کونہ المذھب[1] — صراحت فرمائی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مذہب ہو۔ (ت)

اور بالفرض ارشاد ائمہ مجتہدین فی المسائل یا تخریجِ مسائل ہی ہو تو علی قاری کو اپنی بحث سے اس کے رد کا کیا اختیار رہے، کیا وہ ان میں نہیں جن کو فرمایا گیا:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ کمالو افتوا فی حیاتھم[2] — مگر ہم پر اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دی اور جسے تصحیح کہا جیسے اگر وہ اپنی حیات میں فتوٰی دیتے تو ہمیں یہی کرنا تھا (ت)

جیسا کہ تصحیح القدوری للعلامہ قاسم پھر رد المحتار میں ہے: فانہ لایسعنا مخالفتھم[3] (کیونکہ ہمارے لئے ان کے خلاف جانے کی گنجائش نہیں۔ ت)

**ثانیاً** اگر وہ منقول ہی ہوتی تو شروح حدیث کی نقول نصوص کتب معتمدہ فقہیہ کے خلاف مقبول نہیں، بلکہ نصوص تو نصوص کہ شروح حدیث کی تصریح صریح اشاراتِ کتبِ مذہب کے بھی معارض نہ مانی گئی شرح مشارق الانوار علامہ ابنِ ملک سے کہ علامہ علی قاری سے اقدم واعظم ہیں ایک مسئلہ منقول ہوا اس پر علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا:

ان ھذا الکتاب لیس موضوعا لنقل المذھب واطلاق المتون والشروح یردہ[4] — اس کی تالیف نقل مذہب کے لئے نہیں اور اطلاق متون وشروح اس کو رد کر رہی ہے۔ (ت)

**ثالثاً** اگر بالفرض کسی کتاب فقہ ہی میں ایک نقل شاذ پائی جاتی تو نقل مشہور کتب معتبرہ کثیرہ کے مقابل نہ مانی جاتی،



کما نص علیہ فی الشرنبلالیۃ والعقود الدریۃ وردالمحتار وغیرھا واکثرنا النقول فیہ فی فتاوٰنا وفی کتابنا فی رسم المفتی۔ — جیسا کہ شرنبلالیہ، العقود الدریہ، رد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اور رسم المفتی سے متعلق اپنی کتاب میں ان کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔ (ت)

**رابعاً** اگر شاذ بھی نہ ہوتی جب بھی اسی ترتیب مذکور جامع التفاریق ومحیط وحلیہ وغنیہ وغیرہا پر اعتماد

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی درر الحکام نواقض الوضوء مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت مصر ۱/۱۵
[2] دُرمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵
[3] رد المحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۵۷
[4] ایضاً

ہو تا کہ نصِ حدیث اُسی طرف ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں،

لایعدل عن درایۃ ما وافقتھا روایۃ کما نص علیہ فی الغنیۃ ورد المحتار وغیرھا۔[1]

کسی درایت سے عدول نہ ہوگا جب تک کوئی روایت اس کی موافقت کرتی ہو جیسا کہ غنیہ اور ردالمحتار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے (ت)

**خامساً** اس بحث و استنباط کا سارا مدار اس پر ہے کہ روایتِ ابی داؤد میں جزاھم ثلثۃ صفوف[2] (انھیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ ت) کا لفظ وارد ہے، اور ایک شخص کو صف نہ کہیں گے ترمذی کی اسی حدیث میں جزاھم ثلثۃ اجزاء[3] (انھیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ت) ہے اور جز مطلق ہے اور ہم ابھی حدیثِ مرفوع سے نقل کر چکے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صف ایک ہی صاحب کی کی، علامہ قاری نے روایتِ ترمذی کی جو شرح ٹھہرائی کہ تین حصے کرنے سے یہ مراد ہے کہ بوڑھے اور ادھیڑ اور جوان یا علماء و طلبہ و عوام،

حیث قال ای قسمھم ثلثۃ اقسام ای شیوخا وکھولا وشبابا او فضلاء وطلبۃ العلم والعامۃ[4]

انھوں نے کہا: ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا یعنی بوڑھوں، ادھیڑوں اور جوانوں میں، یا علماء، طلباء اور عوام میں تقسیم کیا۔ (ت)

یہ بھی نرا اجتہادِ علامہ ہے جس پر نہ حدیث مرفوع میں دلالت نہ اُس کی فرع فعل صحابی میں، نہ اُسے اس کی شرط اذا صلی علی جنازۃ فتقال الناس علیھا[5] (جب نماز جنازہ پڑھی اور اس پر آدمی کم محسوس کیے۔ت) پر ترتب، یہ مقتضی تجزیہ ہیں، نہ طالبِ توزیع، تو یہ تفسیر بلانشاء ہے، نہ شرع سے کہیں کسی نماز میں یہ تقسیم معہود کہ بوڑھے الگ چھانٹے جائیں اور ادھیڑ جُدا اور جوان علیحدہ۔

**سادساً** ہمیں مسلّم کہ فی نفسہٖ مستقل صف کم از کم دو کی ہوگی، مگر صف یا صفوف کے ساتھ اگر ایک شخص صف جداگانہ کی جگہ ہو تو اس پر بھی ضرور اطلاقِ صف ہے اور یہی ہمارے اس مسئلہ میں ہے

---

[1] ردالمحتار | مطلب اذا تعارض التمیم | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/۵۳

[2] سنن ابی داؤد | باب فی الصفوف علی الجنازۃ | آفتاب عالم پریس لاہور | ۲/۹۵

[3] جامع الترمذی | ابواب الجنائز باب کیف الصلوٰۃ علی المیت الخ | امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۱/۱۲۲

[4] مرقاۃ المفاتیح | کتاب الجنائز حدیث ۱۶۸۷ | المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ | ۴/۱۷۰

[5] جامع الترمذی | ابواب الجنائز باب کیف الصلوٰۃ علی المیت | امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۱/۱۲۲

تو اصل مبنائے انکار ہی ساقط و باطل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفا[1]۔ جس دن کھڑے ہوں گے رُوح اور ملائکہ صف باندھ کر۔

ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

الروح ملك فی السماء السابعۃ واعظم من السمٰوٰت ومن الجبال ومن الملٰئکۃ یسبح کل یوم اثنی عشر الف تسبیحۃ یخلق اللہ من کل تسبیحۃ ملکا من الملٰئکۃ یجئ یوم القیٰمۃ صفا وحدہ[2]۔

یہ روح فرشتہ آسمانِ ہفتم میں ہے وہ آسمانوں اور پہاڑوں اور سب فرشتوں سے اعظم ہے، وُہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں کرتا ہے۔ اللہ عزوجل ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بناتا ہے یہ روح (فرشتہ) روزِ قیامت اکیلا ایک صف ہوگا۔

معالم التنزیل میں بروایت عطاء ابن ابی رباح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ہے:

الروح ملك من الملٰئکۃ ما خلق اللہ تعالٰی مخلوقا اعظم منہ فاذا کان یوم القیٰمۃ قام وحدہ صفا وقامت الملٰئکۃ کلھم صفا واحدا فیکون اعظم خلقۃ مثلھم[3]۔

رُوح ایک فرشتہ ہے اللہ تعالٰی نے کوئی مخلوق جسم میں اس سے بڑی نہ بنائی، جب قیامت کا دن ہوگا وُہ اکیلا ایک صف ہو کر کھڑا ہوگا اور تمام فرشتے مل کر ایک صف، تو اس کی جسامت ان سب کے برابر ہوگی۔



امام ابوعمر ابن عبدالبر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: المراۃ وحدھا صف[4]۔ اکیلی عورت ایک صف ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: المراۃ وحدھا تکون صفا[5]۔ تنہا عورت ایک صف ہوتی ہے۔ حدیث عطار سے گزرا جعل الصف الثالث واحدا[6]۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو تیسری صف کیا۔

---

[1] القرآن ۷۸/۳۸

[2] جامع البیان المعروف تفسیر ابن جریر تحت آیہ مذکورہ مطبوعہ مطبعۃ میمنیہ مصر ۳۰/۱۳

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن " " مصطفٰی البابی مصر ۷/۲۰۳ و ۲۰۲

[4] التمہید الحدیث الخامس لاسحاق المکتبۃ القدوسیۃ لاہور ۱/۲۶۸

[5] صحیح البخاری باب المراۃ وحدھا تکون صفا " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۱

[6]

امامؒ احمد کی روایت مذکورہ میں بھی ایک شخص کو صف کہا کہ کرہ ان یکون الواحد صفّاً (اسے ناپسند کیا کہ ایک آدمی صف ہو۔ ت) نہ یہ کہ الصف لایقوم بواحد اصلا (ایک آدمی سے بالکل صف بنتی ہی نہیں۔ ت) اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ تین آدمیوں کی تین صفیں نہ ہوسکنے سے اعتراض جہالتِ فاحشہ ہے فکم من شئ یصح ضمنا ولا یصح قصدا (بہت سی چیزیں ضمناً ہوں تو صحیح ہیں اور قصداً صحیح نہیں۔ ت)

**سابعًا** کراہت انفراد صلوٰۃِ مطلقہ میں ارشاد ہوئی ہے، صلوٰۃِ جنازہ کا اُس سے الحاق محلِ منع ہے، تبیین الحقائق میں فرمایا:

| | |
|---|---|
| صلوٰۃ الجنازۃ لیست بصلوٰۃ من کل وجہ وانما ھی دعاء للمیت[2] | نمازِ جنازہ ہر لحاظ سے نماز نہیں، یہ تو بس میّت کے لئے دُعا ہے۔ (ت) |

امام نسفی کتاب کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| حتی لایحنث بصلاۃ الجنازۃ لوحلف ان لایصلی فصارت کسجدۃ التلاوۃ[3] | اگر نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا، تو یہ سجدۂ تلاوت کی طرح ہوئی (ت) |

**اقول** بلکہ محل مقام میں صلاۃِ مطلقہ کا اُس سے بیّن تفاوت ہے۔ صلاۃ مطلقہ میں سب سے افضل صفِ اول ہے اور نماز جنازہ میں سب سے افضل صف اخیر۔

صلاۃ مطلقہ میں جب تک پہلی صف پُوری نہ ہوجائے دوسری صف ہرگز نہ کی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[4] رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان وابن خزیمۃ والضیاء فی المختارۃ عن | اگلی صف پُوری کرو پھر وہ جو اس کے بعد ہے کہ جو کچھ کمی رہے پچھلی صف میں رہے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ، اور مختارہ میں ضیاء نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ |

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۷

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸

[4] " " " " " " " " ۱/۹۷

انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح ۔ تعالٰی عنہ سے بسندِ صحیح روایت کیا ۔ (ت)

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : الا تصفون کما تصف الملٰئکۃ عند ربھا (کیا تم ویسے صف نہیں لگاتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے حضور صف لگاتے ہیں ۔ ت) صحابہ نے عرض کی : یارسول اللہ وکیف تصف الملٰئکۃ عند ربھا (یارسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسے صف لگاتے ہیں ؟ ۔ ت) ارشاد فرمایا : یتمون الصف الاول و یتراصون فی الصف[۱] (پہلی صف پُوری کرتے ہیں اور صف کے اندر خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں ۔ ت) رواہ مسلم و ابوداؤد وابن ماجۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۔ ت) اور نمازِ جنازہ میں تفریقِ صفوف سب کو مسلّم ۔

صلٰوۃ مطلقہ میں محاذاتِ زن حسبِ شرائطِ عشرہ مفسدِ نماز ہے اور نمازِ جنازہ میں اصلاً مفسد نہیں کما نص علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے ۔ ت) تو کیا بعید ہے کہ صف کے پیچھے انفرادِ صلاۃِ مطلقہ میں مکروہ ہو نہ نمازِ جنازہ میں وبہ یضعف ما وقع فی الحلیۃ ان لولا الحدیث لقلنا بکراھتہ[۲] (اور اسی سے حلیہ میں واقع یہ کلام ضعیف ہوجاتا ہے کہ اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم اس کی کراہت کے قائل ہوتے ۔ ت)

بالجملہ مسئلہ واضح ہے اور بحث طالع اور بخلاف حدیث وفقہ اس پر اعتماد جہل فاضح ۔ اب رہا اصل سائل کہ یہ تفریق پانچ مقتدیوں میں بھی کی جائے یا صرف چھ سے مخصوص ہے ۔

**اقول** ہاں پانچ میں بھی کی جائے ، ہمیں حدیث وفقہ نے بتایا کہ ارشادِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

من من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب[۳] ۔ مسلمانوں میں سے کوئی فوت ہوگیا اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں نے جنازہ پڑھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ۔ (ت)

---

[۱] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف واقامتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱
سنن ابی داؤد باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷
[۲] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[۳] مشکوۃ المصابیح باب المشی بالجنازہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷

کی برکت حاصل کرنے کو حتی الوسع حاضرین کی تین[۳] صفیں کی جائیں، اگر صفِ اخیر صرف ایک شخص کی ہو۔ یہ بات پانچ مقتدیوں میں یقیناً حاصل۔ پہلی دو صفیں دو دو کی ہوں کہ دو آدمی صلوٰۃ مطلقہ میں بھی مستقل صف ہیں، موطائے امام مالک و مصنف عبدالرزاق میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصففت انا والیتیم من ورائہ[۱]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے حضور کے پیچھے صف لگائی (ت)

موطائے امام محمد میں عبداللہ بن عتبہ سے ہے:

قال دخلت علی عمر بن الخطاب بالھاجرۃ فوجدتہ یسبح فقمت ورائہ فقربنی فجعلنی بحذائہ عن یمینہ فلما جاء یرفاء تاخرت فصففنا ورائہ[۲]

میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں دوپہر کو آیا تو انھیں نفل پڑھتے ہوئے پایا، میں ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، اُنھوں نے مجھے قریب کرکے اپنے برابر دائیں کرلیا، پھر جب یرفا آگیا تو میں پیچھے ہوگیا، ہم دونوں نے ان کے پیچھے صف بنائی (ت)

اور تیسری صف ایک کی فقہائے کرام نے کہ چھ ہی مقتدیوں کی صورت لکھی،

**اوّلاً** بعض صور پر اقتصار بعض دیگر کا نافی نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لایلزم ان یکون ما سکت عنہ مخالفا فی الحکم لما ذکرہ کما لایخفی[۳]

ضروری نہیں کہ جس سے سکوت ہو وہ حکم میں اس کے مخالف ہو جو مذکور ہے جیسا کہ واضح ہے (ت)

**ثانیاً اقول** اس کے لئے تین سبب ہیں،

**اوّل** صورت مذکورۂ حدیث کے ذکر سے تبرک۔

**دوم** اس پر تنبیہ کہ چھ مقتدیوں کی صورت میں اگرچہ ہر صف دو شخصوں کی ہوسکتی ہے مگر بہ اتباعِ سنت یونہی کریں کہ پہلی صف تین کی، دوسری دو کی، تیسری ایک کی۔

**سوم** کراہت انفراد کا کامل ازالہ کہ باوصف تیسر تعدد انفراد اختیار کیا، اگر کہئے چھ مقتدیوں کی اس ترتیب میں کوئی اور حکمت بھی، **اقول** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے افعال کی حکمتیں خوب جانتے ہیں

---

[۱] موطا امام مالک — جامع سبحۃ الضحٰی — مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی — ص ۱۳۷

[۲] موطا امام محمد — باب الرجلان یصلیان جماعۃ — " نور محمد اصح المطابع کراچی — ص ۱۲۴

[۳] ردالمحتار

نظرِ ظاہر میں یہاں دو حکمتیں معلوم ہوتی ہیں :

**اوّلاً** جمع تام ہے اور جمع تام گویا صفتِ تام ہے ولہذا ایک روایت میں تین عورتوں کو جمیع صفوف مابعد کی نماز کا قاطع بتایا، اور ظاہر الروایۃ میں بھی اسے اس درجہ قوی بتایا کہ ایک صف کو دوسری کا حائل نہ جانا اور ان کی محاذات میں آخر صفوف تک تین تین مردوں کی نماز پر حکم فساد فرمایا۔ فتح القدیر میں ہے :

الصحیح ان بالصلاۃ بالثلاث تفسد صلوۃ واحد عن یمینھن و اٰخر عن شمالھن وثلثۃ ثلثۃ الی اٰخر الصفوف وفی روایۃ الثلث کالصف التام فتفسد صلوۃ جمیع الصفوف التی خلفھن[1]

صحیح یہ ہے کہ تین عورتوں سے ایک ان کے دائیں والے مرد کی، ایک ان کے بائیں والے کی، اور آخری صف تک ہر صف سے تین تین مردوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے —— اور ایک روایت میں ہے تین گویا پوری صف ہے تو ان کے پیچھے کی تمام صفوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

اس معنوی کثرت وقوت کی تحصیل کو صفِ اوّل میں تین شخص رکھے۔

**ثانیاً** اس میں تعدیل فضل ہے کہ جمع میں برکت ہے ایک سے دو میں زائد، دو سے تین میں، اور صفوفِ جنازہ میں آخر فالآخر افضل ہے۔ پہلی سے دوسری افضل، دوسری سے تیسری، تو اس ترتیب سے ہر صف کے لئے چار فضل حاصل ہوگئے۔ پہلی صف میں باعتبار صف ایک اور بلحاظِ رجال تین۔ دوسری صف میں صف اور رجال دونوں کے اعتبار سے دو دو، تیسری میں باعتبار صف تین، بلحاظِ رجل ایک۔ واللہ ذوالفضل العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (اور اللہ بڑے فضل والا ہے —— اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۶